علمی، ادبی، اصلاحی، عرفانی اور احسانی

مضامین

کا

مجموعہ

محسوساتِ جاؔوید

مصنف

رئیس العارفین حضرت شاہ محمد عبدالقیوم صاحب جاؔویدؒ

خلیفہ: حضرت شاہ صوفی غلام محمد صاحب علیہ الرحمۃ

ناشر: فاضل پرنٹنگ پریس، سرکاری دواخانہ روڈ محبوب نگر

تفصیلات کتاب

نام کتاب	:	محسوساتِ جاؔوید
مرتب	:	رئیس العارفین حضرت شاہ محمد عبدالقیوم صاحب جاؔویدؒ
تعداد	:	1000
قیمت	:	40 روپئے
اشاعت اول	:	۱۹۸۰ء
اشاعت ثانی	:	۱۰/ اکٹوبر ۲۰۲۴ء
ناشر	:	فاضل پرنٹنگ پرس، گورنمٹ دواخانہ روڈ محبوب نگر

ملنے کے پتہ

- ☆ فاضل پرنٹنگ پریس، سرکاری دواخانہ روڈ محبوب نگر
- ☆ بمکان جناب افراز صاحب، چھوٹی مسجد کالونی، آمبور تامل ناڈو
- ☆ دفتر الحراء آن لائن اسلامک اکیڈمی، نزد مسجد محمدیہ زہرہ پورم، کرنول
- ☆ بمکان حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ، زہرہ پورم کرنول
- ☆ مدرسہ دارارقم شاہ صاحب گٹہ محبوب نگر
- ☆ مدرسہ دارالعلوم جاویدیہ، بلنڈگاں کرنول

فہرست مضامین

انتساب

عرضِ ناشر

محسوساتِ جاؔوید! اک تعارف

حسن تعارف

پیش لفظ

پیام حضرت شیخ مدظلہ

پیامِ حضرت درؔد مدظلہ

مقدمہ

۱) گمنام صوفی کے نقوشِ قدم شاہراہِ حیات کیسے بن گئے؟

۲) آپریشن! بصارت سے بصیرت کی جانب میرا سفر

۳) جو بیٹھو باادب ہوکر

۴) آئینہ قادریت میں امت مسلمہ کا عکس

۵) مقصودِ کل

۶) ادب اور مقصدیت

۷) انسان تنقید کے آئینہ میں

فیضان چشم صوفیست جاؔوید

درددل بہ بینم ماہ تمامے

انتساب

احقر اپنی اس تصنیف کو اپنے شیخ حضرت الحاج شاہ صوفی غلام محمد صاحب رحمت اللہ علیہ کے اسم گرامی سے معنون کرتا ہے جن کے فیضان صحبت میں قیومت الٰہیہ کی یافت اور شہود نصیب ہوئے۔

احقر

محمد عبدالقیوم جاؔوید

عرضِ ناشر

علومِ حقائق کا یہ قابل قدر مجموعہ افقِ اشاعت پر ۴۴ سال پہلے جلوہ گر ہوا تھا، اہل ذوق اور بالغ نظر قارئین نے اس سے کما حقہ استفادہ بھی کیا تھا۔ اس تصنیف کا ہر جملہ قرآن کی اک اک آیت کا ترجمان ہے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علم الٰہی کے متلاشیان کو اسمیں ذات مطلق کی دید کی دعوت دی گئی ہے۔

گر بصیرت ہو تو خود پردہ بھی جلوہ ہوگا
ورنہ ہر جلوۂ بے پردہ بھی پردہ ہوگا

وجود وذات کے کندھوں پہ حیات معلوم
کس اہتمام سے پیہم چلائی جاتی ہے

یاد رہے کہ وجہ وجود کائنات طائف کے میدان میں انھیں علوم کی پیشکشی کے نتیجے میں زخموں سے چور چور ہوئے تھے، بالغ نظر قاری کیلئے یہ تصنیف ضرور ذات الٰہی تک پہنچنے کیلئے زینہ ثابت ہوگی

دعا ہیکہ اللہ تعالیٰ چھاپنے والوں کو اشاعت کرنے والوں کو اور اس کا مطالعہ کرنے والوں کو اس تصنیف سے فیضاب ہونے کا موقع نصیب فرمائے اور مصنف محترم، والد ماجد حضرت جاآوید رح صاحب قبلہ کے درجات کو بلند فرمائے۔

محمد عبد الحلیم امجد
پروپرائیٹر فاضل پریس محبوب نگر

محسوساتِ جاآوید! اک تعارف

آفتاب رسالت آج سے 1440 سال پہلے طلوع ہوا تھا، روئے زمین پر کعبۃ اللہ تو تھا لیکن کی کوئی بھی اللہ کو پہنچانتا نہیں تھا، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو لوگوں کو اللہ کی اور اللہ کے گھر کی پہچان نصیب ہوئی یعنی رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کو اللہ کا پتہ بتایا۔

ہم سے پہلے تھا عجب تیرے جہاں کا منظر
کہیں مسجود تھے پتھر، کہیں معبود شجر
خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر
مانتا پھر کوئی ان دیکھے خدا کو کیوں کر

حضور ﷺ کی بعثت مبارکہ کے بعد دنیا نے خدا کو پہچانا، خالق ومخلوق کے فرق کو سمجھا، اور وحدانیت کے علمبردار بنتے گئے، حضور ﷺ نے جہاں دین کے ظاہری احکامات کی تعلیم دی بلکہ بموجب استعداد ذاتی خدا اور بندے کے ربط باہمی سے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کو واقف کروایا، نہ صرف خدا کے احکامات سنائے بلکہ بندوں کو خدا سے ملانے کا فریضہ بھی انجام دیا۔

خلفاء عباسیہ کے زمانے میں علوم وفنون کی ترقی اور یونانی عقائد عروج پر رہے، یہ درست ہیکہ فلسفۂ یونان، ویدانیت، افلاطونیت اور گوتم بدھ کے نروان کے فلسفہ اور تمدن نے فلسفہ وحدانیت کو متاثر کرنے کی بھرپور کاوشیں کیں، لیکن صوفیاء اور فقراء کی شرابِ عشق وتوحید سے سرشاری کا دنیا نے نظارہ کیا کہ حضرت منصور کو سولی پر چڑھایا گیا تو خون کے قطرے قطرے سے اناالحق کی بلند ہوتی صدا کو لوگوں نے سنا اور جب جلا کر خاک دریا میں ڈالی گئی تو ہر موجِ آب سے اناالحق کی صدا آنے لگی

تھی، اسی واقعہ کیحضرت والا نے یوں منظوم فرمایا:

کیا لیا ہے کسی منصور نے دلدار کا نام
گونج اٹھا ہے فضاؤں میں جو پھر دار کا نام

خودی سے خدا کی طرف سفر صوفیا اور اہل اللہ کا شعار رہا ہے خدا کو پہچانا، خدا کو دیکھا اور خدا کے فضل سے وحدت الوجود کے راز کو اہل استطاعت پر فاش فرمایا۔

محسوسات جاؔوید انھیں احساسات کی ترجمان ہے، اس کا پہلا ایڈکشن 1980ء میں شائع ہوا تھا، اب یہ دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آرہا ہے، سات عنوانات پر مشتمل یہ توحیدری گلدستہ آپ کو بتائیگا کہ ادب کو ذریعہ ہوتا ہے حقائق کی ترجمانی کا ادب کو جام تصور کرلیا جائے تو مئے اُس علم کا نام ہے جسکو انسانوں تک پہنچانے کیلیئے بے شمار انبیاء کو بھیجا گیا۔

علم وہ لئے ہے جو حق کی معرفت کا نام ہے
مئے کی خاطر تیرے ہاتھوں میں ادب کا جام ہے
مئے کی خاطر میکدہ ہے جام ہے ساقی بھی ہے
میکشا کیا ترے شیشے میں مئے باقی بھی ہے؟

بہر حال ان مضامین جن میں شریعت کے آئینہ میں طریقت کا چہرہ دکھایا گیا ہے تمام قارئین کے فیضیاب ہونے کی توقعات وابستہ کرتے ہوئے ہم اجازت چاہتے ہیں۔

صاحبزادہ **محمد عبدالحکیم حامد** ایم۔اے، بی۔ایڈ
فاونڈر جاوید یونانی فارمسی، محبوب نگر

حسن تعارف

ہر تصویر اپنے مصور کی ترجمانی کرتی ہے، ہر تخلیق اپنے خالق کی عظمت اور فن کا زبانِ بے زبانی سے اعلان کرتی ہے، اسی طرح ہر تصنیف اپنے مصنف کا تعارف پیش کرتی ہے، مختصر یہ کہ تصنیف کی تعریف اصل میں مصنف کی تعریف ہوتی ہے کیونکہ وہ مصنف کے کمالات، خیالات، تصورات تجربات اور احساسات کی آئینہ دار ہوتی ہے۔

اسی مناسبت سے قبل اس کے کہ تصنیف کے بارے میں کچھ لکھا جائے مصنف کا تعارف منطقی اور فطری اعتبار سے ضروری ہوجاتا ہے، زیر نظر تصنیف جو مختصر بھی ہے اور بے حد مفید بھی، اسکے مصنف حضرت محمد عبدالقیوم صاحب جاؔوید اپنی تصنیف کے بارے میں ضود کیا فرماتے ہیں:

نصیب ہر دل و دیدہ ہو نشۂ عرفاں
خرد کے سامنے حاضر ہے جامِ فکر و نظر کے

حضرت شاہ محمد عبدالقیوم صاحب جاؔوید کی ولادت ایک معزز، دینی علمی اور ادبی گھرانے میں ہوئی، آپ کی والدہ اور خالہ جان محترمہ گورنمنٹ اسکول کی صدر معلمہ تھیں، آپ کے والد ایک نیک اور متقی سول کنٹراکر تھے، اپنے تقوی اور پرہیزگاری کے باعث آبادی میں "حضرت" کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

ابتدائی تعلیم امی اور آبا کی راست نگرانی میں ہوئی، پھر اعلیٰ تعلیم اس وقت کے ضلع گلبرگہ کے کالجوں میں پائی، انگلش اور ریاضی کے علاوہ فلسفہ وکلام ومنطق جیسے علوم سے فراغت ہوئی، ساتھ ہی

ساتھ باطنی علوم کے حصول کیلئے اہل اللہ کی تلاش میں سرگرداں رہے۔

وہ جسکے گام کو خود منزلیں ترستی ہیں

کہاں ہے کونسی منزل میں ہے وہ دیوانہ

1970 میں گورنمنٹ جونیر کالج محبوب نگر پر بحیثیت لکچرر کے عہدے پر فائز ہوئے، قوم کے نونہالوں اور نوجوانوں کو ادب کی تدریس کیساتھ ساتھ اسلامی معلومات اسلامی عقائد اور اخلاقیات سے روشناس فرماتے رہے، حضرت کو استاد الاساتذہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، قیام نسبت علمی کیلئے کئی بڑے گھر آستانوں پر حاضری ہوئی، بعض نامی گرامی شیوخ نے ایک ہی نشست میں بیعت وخلافت عطا کرنے کی پیشکش بھی کی، لیکن میلانِ طبع نہیں ہوا، پھر خطبات غوث الاعظمؒ کے اسباق دہرائے جاتے رہے اور کسی شیخ کامل کی تلاش کا سلسلہ بھی جاری رہا اور باطنی علوم کے حصول کیلئے کسی سچے اللہ والے کی تلاش میں سرگرداں رہے۔

حقانیت کے متلاشی اس دریا کو عرفانی سمندر تک پہنچ کر ہی دلی سکون نصیب ہوا، جبکہ ایسے گم نام شیخ سے ملاقات ہوئی جن کو دیکھنے پر اللہ اور جن کے عمل کو دیکھنے پر رسول اللہ ﷺ ہے یاد آتے تھے، جو اور مرشدوں کی طرح نہ تو خوش خوراک تھے اور نہ خوش پوشاک تھے، لیکن اللہ رکھتے تھے اور اہل استعداد کو اللہ دیتے بھی تھے، جن کو حیدرآباد کے شاہ کمال (مچھلی والے شاہ صاحبؒ) کے سلسلہ سے وابستگی تھی۔

فیضانِ چشم صوفیت جاؔوید

دردل بہ بینم ماہے تمامے

اکتساب فیضان کے بعد زبانی یوں گویا ہوئی:

کہاں کا شعور اور اشعار کس، تری ذات جاؔوید معلوم حق ہے

تو اک بانسری ہے بجا وہ رہے ہیں یہ نسبت نہیں تو پھر اور کیا ہے

مشقِ سخن کا آغاز تو زمانہ طالب علمی ہی سے ہو چکا تھا، 1958 تک کا کلام گم ہو چکا تھا، اسکے بعد کی شاعرانہ کاوشیں کاروان فکر کے عنوان سے شائع ہو چکی ہیں، جن میں تقریباً تمام ہی اصناف سخن پر طبع آزمائی ہوئی ہے، شعر وادب کو ذریعہ بنا کر معرفت الہیہ کا موضوع پیش فرمایا

علم وہ مئے ہے جو حق کی معرفت کا نام ہے

مئے کی خاطر تیرے ہاتھوں میں ادب کا جامہ ہے

حضرت جاوید صاحب کے اشعار ہوں یا تحریریں قرآنی وعرفانی مضامین پر محیط ہیں، مضامین توحید اور عشق رسول ﷺ کی جلوہ گری اپنے کمال پر ہوتی ہے:

زبان پر درود اور آنکھوں میں آنسو

تصور میں ہیں تاجدار مدینہ

بزم سخن محبوب نگر کے مشاعروں میں بہ اصرار شرکت فرمایا کرتے تھے، بعد میں آپ الہیاتی علوم کی اشاعت کیلئے نہ صرف تلنگانہ بلکہ آندھرا، کرناٹک اور ٹامل ناڈو کے دورے مزاج کی ناسازی کے باوجود فرماتے رہے، ختم نبوت کے مشن کے تحت قادیانیوں سے متعدد مذاکرات کے بعد "قادیانیت بے نقاب" کے زیر عنوان ایک حضرت کی ایک تصنیف بھی منظر عام پر آچکی ہے، مسجد کوثر محبوب نگر میں 8 سال تک ایک آیت کریمہ کی تفسیر کا سلسلہ جاری رہا اور مسجد شاہ صاحب گٹہ میں کئی برس تک۔

اب زیرِ نظر تصنیف محسوسات جاؔوید کا دوسرا ایڈیشن زیور طباعت سے آراستہ ہونے جارہا

ہے، اس میں سات مختلف عنوانات کے تحت توحید کے موضوعات پر انتہائی پر کشش انداز میں خامہ فرسائی ہوئی، خصوصیت سے (آپریشن بصارت سے بصیرت کی جانب سفر) مضمون جو شریعت کے آئینہ میں معرفت کی جھلکیاں دکھاتا ہے، قارئین کیلیے مرکز توجہ ثابت ہوگا۔

اس اندیشے کیساتھ کہ کہیں تعارف کی ضخامت اصل تصنیف سے زیادہ نہ ہوجائے، اس دعا کیساتھ اپنے قلم کو بند کرتا ہوں کہ اللہ تبارک ان مضامین توحید سے لکھنے والوں کو چھاپنے اور پڑھنے والوں کو مستفید ہونے اور حضرت والا کے مقامات کے بلند ہونے کا ذریعہ بنائے۔۔

حلم بابر

صدر بزم کہکشاں محبوب نگر

پیش لفظ

کسے خبر تھی کہ ایک ناکارہ کے محسوسات چھاپے بھی جائیں گے، احقر وہ ازلی جاہل اور ابدی عاجز ہے جو کسی کمال کی بو بھی نہ سونگھ سکا، اللہ تعالی نے محض اپنے فضل خاص سے میری ذات کا علم اور اپنی ذات مبارک کی یافت بوسیلہ حضرت شیخ دامت برکاتہم احقر کو عطا فرمائی اور اپنے کمالات کا اظہار زبان وقلم سے خود ہی فرما رہے ہیں، ان تحریروں میں کہیں کمال پایا جائے تو وہ اللہ کا ہے اور نقص نظر آجائے تو وہ اس ناکارہ کا ذاتی ہے چونکہ کمال کا کوئی تعلق احقر سے نہیں ہے اس لیے کسی تعریف کا رشتہ بھی متفق نہیں ہے، ادب محض پیالہ ہے اور علم کتاب وسنت آب حیات ادب کو مقصود حیات سمجھ لیا جائے تو ایسا ادب ہی ذات الہی کے لیے حجاب ہے ایسے محجوب ادب پرستوں کے حجابات کو چاک کرنے کا سامان بھی ان تحریروں میں موجود ہے

اللہ تعالی کا شکر ہے کہ اس نااہل کی زبان وقلم کو اپنے کمالات کے اظہار کا محل بنالیا، اگر ان سطور سے کسی دل کو ہدایت کا کوئی چشمہ نصیب ہوجائے تو محض فضل الہی ہے اور احقر کے حق میں وجہ نجات۔

احقر

عبدالقیوم جاؔوید

پیامِ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے کہ جس نے احقر کے احباب کو دین ونعمت کی فہم کے لیے خاص کرلیا ہے اوران میں بھی اس کتاب کے مصنف جاؔوید صاحب کوامتیازی مقام پر پہنچا دیا ہے علم الٰہی اورعلم قرب ومعیت کا آج کال ہے اور سمجھنے والے قلوب معدوم ہوتے جا رہے ہیں دوسری طرف بحمداللہ بعض قلوب کوقرب ومعیت ،تنزیہ تشبیہ کے مسائل میں شرح صدر حاصل ہے محسوسات پڑھ کرآپ خوداحقر کے اس احساس کی تصدیق کریں گے احقر کی دعا ہے کہ محسوسات جاؔوید کوقبول عام حاصل ہواوراحقر کے لیے ذریعۂ نجات

احقر

غلام محمد مدرس

پیامِ حضرت درد رحمۃ اللہ علیہ

الشکرللہ جس بھائی کی تعلیم وتربیت کا اللہ تعالیٰ نے مجھ جیسے حقیر فقیر سے کام لیا کیا خبر تھی وہ گل سرسبز بن کر سامنے آئے گا اس احسان عظیم پر میں اللہ کا جتنا شکرادا کروں کم ہے محسوسات جاوید ہر پہلو سے قابل قدر ہے کہ وہ احساس دینے والے تک پہنچانے والی گراں قدر تصنیف ہے اللہ تعالیٰ شرف قبولیت بخشے آمین!

فقیر محمد عبدالرحیم دردؔ

مقدمہ

"محسوساتِ جاوید" آپ کے ہاتھوں میں ہیں سات رنگ کے پھولوں سے مزین یہ گلدستہ عرفان ان شاءاللہ ہر نوع کے قارین کے لیے فرحت بخش ثابت ہوگا۔ بات چونکہ دل سے نکلی ہوئی ہے اسی لیے دلوں پر ضرور اثر کرے گی۔ خلاف عقل نہیں ہے اس لیے اہل خرد کے لیے بھی سرمایہ فکر ثابت ہوگی ادب کا اعلیٰ ترین تصور بھی اپنے اندر رکھتی ہے اس لیے نرے ادب پرستوں کے لیے بھی نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگی روح تنقید کی حامل ہے اس لیے رمزہ ناقدین کو بھی معیاری زاویہ فکر عطا کر سکے گی۔ عرفانی نکات کو لیے ہوئے ہے اس لیے خواص کے لیے بھی کیف آور ثابت ہوگی، افراط وتفریط کے حدود متعین کرتی ہے اس لیے جادہ اعتدال پر چلنے والوں کے لیے مینار نور بن سکے گی، سنتوں کے احیاء پر زور دیتی ہے اس لیے بدعتوں کا راستہ روکے گی، بامقصد ہے اس لیے تعینِ مقصدِ حیات کا طریقہ بتائے گی محسن انسانیت ﷺ کی زبان فیض ترجمان سے ماخوذ ہے اس لیے ساری انسانیت کی فلاح کا باعث بن سکے گی، قال کا بہترین معیار رکھنے والوں کے توسط سے ملی ہے اس لیے فلسفیوں اور دانشوروں کے حال پر بھی مثبت اثر چھوڑے گی، حال والے مصنف کے قلم سے ظہور پذیر ہوئی ہے اس لیے پڑھنے والوں میں بھی ان شاءاللہ وہی حال پیدا کر کے چھوڑے گی، امی لقب آقا ﷺ کا عطیہ ہے اس لیے مجرد سننے والے بھی اس کی افادیت سے محروم نہیں رہیں گے، ماضی بعید میں ابوجہل اور ابولہب تک پہنچائی جا چکی ہے اس لیے آج بھی اپنے غیر مسلم احباب تک ضرور پہنچائی جائے گی۔

ہر تخلیق اپنے خالق کے افکار نظریات احساسات اور کمالات کی ترجمان ہوتی ہے اور اس کا

مطالعہ کرنے والا محسوس یا غیر محسوس طریقے سے اس کے خالق سے روشناس ہوتا چلا جاتا ہے ویسے ہی ساتھ مختلف نوع مضامین پر مشتمل یہ تصنیف آپ کو بتائے گی کہ مصنف موصوف کون ہیں کیا ہیں کس کی اور کتنی اہم باتیں سنانا چاہتے ہیں جو پیام اس تقریر میں مصنف موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کیا ہے اس کے بارے میں خود انہوں نے یہ اظہار خیال فرمایا ہے:

ساتھ لے چل اس کو اے محوِ خرام زندگی
راہ میں کام آئے گا میرا پیام زندگی
مسکرانا تجھ کو سکھلائے گا یہ آفات میں
نور بن کر راہ دکھلائے گا یہ ظلمات میں
نطق بن کر یہ سنوارے گا تیری گفتار کو
درد بن کر یہ نکھارے گا تیرے کردار کو
برق بن کر یہ کرے گا خرمن ادراک پر
عشق بن کر لے اڑے گا رفعت افلاک پر
پستیوں میں شوق بن کر تجھ کو تڑپائے گا یہ
رفعتوں میں جوش بن کر تجھ کو پھڑکائیگا یہ
فتح کی کرنیں دکھلائے گا شکستوں میں تجھے
زندگی سکھلائے گا باطل پرستوں میں تجھے

اب ایک اصولی ذمہ داری جو ہمارے ذمے رہ جاتی ہے لیجیے ہم اسے بھی پورا کیے دیتے

ہیں اور دونوں ابتدائی سوالات کے جوابات بھی آپ کی خدمت میں پیش کیے دیتے ہیں۔

محسوسات جاوید کے مصنف حضرت الحاج شاہ صوفی غلام محمد صاحب قبلہ کے خلیفہ حضرت شاہ محمد عبدالقیوم جاآوید مدظلہ ہیں یہ وہ ہیں جن کی تربیت ایک پابند صوم وصلوٰۃ طاہرہ ماں کی گود میں ہوئی یہ وہ ہیں جن کے والد کے تقوے کا معیار یہ تھا کہ وہ اپنے گھوڑے کے جبڑوں کو چیر کر دوسروں کے کھیت کے کھائے ہوئے جوار کے بھٹے کو کھینچ کر واپس کھیت میں پھینک دیا کرتے تھے یہ وہ ہیں جن کی خالہ مرحومہ کی کوئی نماز سن بلوغ سے وفات تک قضا نہ ہونے پائی تھی یہ وہ ہیں جن کو بچپن میں اس بات پر رونا آجاتا تھا کہ گھر والوں کی جگانے سے قبل ہی یہ فجر کے لیے کیوں نہ جاگ گئے یہ وہ ہیں جنہوں نے منطق وکلام مفلسفہ وتفسیر وحدیث کے علاوہ فارسی عربی اور انگریزی میں بہت ہی کم عمری میں کمال حاصل کرلیا تھا یہ وہ ہیں جنہوں زمانہ طالبِ علمی میں مدرسہ اور کالج کے اسٹیج کو اپنی ولولہ انگیز تقریروں سے دہلا دیا تھا یہ وہ ہیں جن کے بارے میں رشید ترابی جیسی شخصیت نے کہا تھا کہ مجھے اس نوجوان میں علامہ اقبال کی روح کارفرما نظر آتی ہے یہ وہ ہیں جنہوں نے ہوش مندی کی عمر کی ابتدا ہی سے اللہ والوں کی تلاش شروع کردی تھی یہ وہ ہیں جن کے جذبہ جہاد کی بجلیاں مصلحت کی رسیوں میں باندھی نہ جاسکتی تھیں یہ وہ ہیں جن کے شوق شہادت کے تحفہ خرد کی زنجیروں میں جکڑے نہیں جاسکتے تھے یہ وہ ہیں جنہیں اپنے وقت کے سارے ہی مشائخین کے آستانوں پر حاضری دینے کی سعادت حاصل رہی یہ وہ ہیں جنہوں نے شیوخ کے جزوی حال اور فروعی قال سے اطمینان قلب حاصل نہ کیا یہ وہ ہیں جنہوں نے کال بلا حال کو قابل تقلید نہ جانا یہ وہ ہیں جن کی آنکھیں تلاش شیخ میں مایوسی کے باعث اشکبار ہوجایا کرتی تھیں۔

وہ جس کے گام کو خود منزلیں ترستی ہیں
کہاں ہیں کون سی منزل میں ہے وہ دیوانہ

یہ وہ ہیں جنہوں نے انتہائی ناامیدی کی حالت میں 30 سال کی عمر میں حضرت غوث الاعظمؒ سے غائبانہ علمی وہ اعتقادی تعلق قائم کرلیا اور خطبات کے مطالعے کا آغاز فرمایا

یہ وہ ہیں جنہوں نے بعض شیوخ کی بیک وقت بیعت وخلافت کی پیشکش کو بھی رد فرمادیا، یہ وہ ہیں کہ آخر کار جن کی تشفی ذات وصفات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی پیکر کو ایک قامت موزوں میں دیکھ کر ہوئی یہ وہ ہیں جنہیں ایک فقیر کی آغوش میں سکون نصیب ہوا یہ وہ ہیں جنہیں اپنے شیخ سادہ پوش کی صحبت میں دنیا وعقبی کی ساری دولتیں نصیب ہوئیں یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنی دنیاوی ڈگریوں کو اپنے شیخ کی ابجدی تعلیم پر قربان کرڈالا، یہ وہ ہیں جو حصول علم کے لیے دیوانہ وار مغل گدہ روانہ ہوا کرتے تھے، یہ وہ ہیں جنہیں شیخ کامل نے کئی سال تک شراب معرفت الٰہی پلائی اور مجاہدات کی بھٹیوں میں ڈالے رکھا، یہ وہ ہیں جنہیں ان کے شیخ نے دودھ کے پیالے سے بھی بے نیاز کر رکھا یہ وہ ہیں جن کے عرفانی بیانات نے تعلیم یافتہ طبقے کو حضرت والا کا مقام سمجھایا یہ وہ ہیں جن کے اقوال وہ اعمال کو دیکھ کر بعضوں نے شیعت ترک کی اور حنفیت قبول کی یہ وہ ہیں جنہوں نے عام استفادے کے لیے علمی استفادہ کا نظم بنایا یہ وہ ہیں جو قربت شیخ کی آگ میں رہ کر اس کے ہم رنگ ہوتے گئے یہ وہ ہیں جن کی نیاز مندی کو دیکھ کر بہت سے عقل وہوش کے بندوں نے ایک فقیر الی اللہ کی حقیقت جانی یہ وہ ہیں جن کا قال ہی ان کا حال ہے اور جن کا حال ہی ان کا قول ہے یہ وہ ہیں جن کے ہاتھوں شیخ کے حکم سے نرسو اور شیخ سدو جیسے خبیث اجناء کی ہڈیوں ہلکی ہورہی ہیں یہ وہ ہیں جن کی آمد محبوب نگر میں ایک طوفان کا پیش خیمہ ثابت ہوئی یہ وہ ہیں جن کا تزکیہ بھی اللہ نے غیروں سے زیادہ اپنوں ہی کی جان توڑ

مخالفت سے کروایا یہ وہ ہیں جو شعروادب میں بھی امتیاز رکھتے ہیں اور علم دین وقرب سے بھی نوازے گئے ہیں یہ وہ ہیں جن کی تحریریں ادب اور مقصدیت دونوں کی چاشنی اپنے اندر رکھتی ہیں یہ وہ ہیں جنہوں نے اپنے فن شعر کو علوم سلسلہ قادریہ کی اشاعت کا ذریعہ بنایا، یہ وہ ہیں جن پر گزشتہ رمضان میں حضرت والا کے مزاج اقدس کی ناسازی پر پیروں گریہ طاری رہتا تھا یہ وہ ہیں جن کا ہر بیان اپنوں کے لیے اصلاح وتجدید ایمان اور غیروں کے لیے دعوت دین کا سبب ہے یہ وہ ہیں جنہیں اپنے شیخ کی نظر عنایات حاصل ہے اور فنافی الشیخ ہو کر فنافی رسول اور فنافی اللہ ہو جانے کا استحضار بھی

فیضان چشم صوفیت جاوید

درددل بہ بینم ماہِ تمامے

یہ وہ ہیں جن کا طرز تحریر نہایت ہی پرکشش ہے یہ وہ ہیں جو وجدانی واقعات کے رشتے حقائق اور معارف سے کچھ اس انداز میں جوڑتے ہیں کہ واقعہ بجائے خود مقصود نہیں بننے پاتا بلکہ مقصد کی جانب نشاندہی ضرور کرتا ہے یہ وہ ہیں جنہوں نے الہی ادب اور الہی تنقید کی اصطلاحات پر سیر حاصل انداز میں قلم اٹھایا ہے یہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت شیخ سے استفادہ کا حق ادا کیا ہے اور یہ وہ ہیں جن سے ہمیں استفادہ کرنا ہے محسوسات اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ تجلیات خمسہ اور کاروانِ فکر کی آمد آمد کی خوشخبری دیتے ہوئے بندہ اجازت چاہتا ہے۔

احقر

محمد عبدالحئی

گمنام صوفی کے نقوش قدم

شاہراہِ حیات کیسے بن گئے؟

دیکھنے والوں نے دیکھا اور سننے والوں نے سنا ان میں عرفاء بھی تھے علماء بھی اہل نقد ونظر بھی اور عوام بھی ہر ایک نے اپنے اپنے معیار اور ظرف کے مطابق دیکھا اور سنا۔

عارف مسرت میں جھوم گئے علماء حیرت میں ڈوب گئے اہل نقد ونظر پر سکتہ طاری ہو گیا عوام سہمے ہوئے تھے آخر ہوا کیا وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا، رسوم ورواج کی گھٹاٹوپ تاریکیوں کو چیرتی ہوئی، نفسانی خواہشات وساوس کی ہتھکڑیوں و بیڑیوں کو کاٹتی ہوئی احیائے سنت کی ایک تجلی جلوہ گاہ شہوت پر نمودار ہوئی۔

ضلع محبوب نگر کی جامعہ مسجد میں خطیب مسجد مولانا کمال الرحمن صاحب (فارغ جامعات دیوبند وندوہ) نے ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۴۹ ہجری بروز یکشنبہ بعد فجر معمولاً ہفتہ واری درس تفسیر دیا خطیب صاحب موصوف کے والد محترم حضرت مولانا شاہ صوفی غلام محمد صاحب قبلہ مدظلہ نے معاً اعلان فرمایا اب خطیب صاحب کا عقد اسی محفل میں ہونے والا ہے یہ اعلان ایک بجلی تھی جو خطیب صاحب سے گزر کر عوام تک سب پر یکساں کوندگئی رشتہ اگرچہ پہلے سے طے تھا لیکن اچانک اس سادہ انداز سے نکاح ہو گا کسی کو اس کی خبر نہ تھی خطیب صاحب کے سارے رشتہ دار حیدرآباد میں ہیں اور ان کی ہونے والی رفیق حیات اپنے وطن کوڑنگل میں، البتہ ان کے والد شریک محفل تھے بایں

ہمہ اعلان کے ساتھ ہی تعمیل حکم میں قاضی صاحب ضلع بلوائے گئے، علماء اور اہل فکر نے کتب فقہ کی چھان بین کے بعد تحقیق فرمائی از روئے شرح نکاح ہوسکتا ہے، بشرطیکہ عاقدہ کے ایجاب کی تکمیل بعد میں کر لی جائے یہ اعلان سن کر بے چین عوام میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، خطیب صاحب اپنے معمولی لباس میں پوری بشاشت کے ساتھ تشریف فرما ہوئے اور قاضی صاحب نے خطبہ نکاح پڑھا چند ہی لمحوں میں یہ خبر سارے شہر میں پوری تیزی سے پھیل گئی، یہی وہ واقعہ ہے جو ایک طرف علماء و مشائخین کے لیے لمحہ فکر بنا ہوا ہے تو دوسری جانب عوام کے لیے وجہ ذکر بنا ہوا ہے۔

حضرت صوفی صاحب مدظلہ کی ایک خاموش حرکت نے نہ جانے کتنے بے روح وعظوں کے طلسم کو توڑا اور فساد امت کے دور میں چپکے سے احیائے سنت کا چراغ روشن فرمایا، عرب میں دریتیم کے چہرے مبارک پر ڈالا ہوا بدعتوں کا نقاب پلٹ کر سنت نبوی کے صحیح خدوخال امت کو دکھائے اپنی دھن کے پکے مسافر کی طرح روشِ صالحیت پر سر جھکائے چل کر اتنی گمراہوں اور گرتے ہوؤں کو سنبھالا یہ عمل جو دیکھنے میں سادہ ہے کتنی ہی سسکتی دم توڑتی معصوم جوانیوں کے لیے آب حیات ہے کتنے ہی دم بخود اور بے بس والدین کے مسائل وافکار کا خاموش جواب ہے اور کتنے ہی حرص وہوس کے اندھوں کے لیے سرمہ بینائی ہے جادہ سنت پر ایک گمنام صوفی کے یہ نقوش قدم آنے والی نسلوں کے لیے شاہ راہ حیات کی حیثیت اختیار کرتے جارہے ہیں۔

اس سلسلے میں ثبوت کے طور پر احقر کے بعض حوصلہ افزا مشاہدات تحدیث نعمت کے طور پر پیش خدمت ہیں سچ تو یہ ہے کہ وعظوں کو تو لوگ بھلا دیتے ہیں لیکن اعمال کو بھلا دینا اتنا آسان نہیں کیونکہ اعمال کانوں میں نہیں دلوں میں گونجتے ہیں، یہ حقیقت مولانا کے نکاح میں کے بعد سمجھ میں آئی کون سا موقع تھا جہاں اس واقعے کا تذکرہ نہ ہو رہا ہو، گھر بازار دکانیں اور مسجدیں اسی ذکر سے

معمور ہیں پتہ نہیں کتنی آنکھوں نے سبق لیا کتنے دل جاگ اٹھے اور احیائے سنت کے اس ایک چراغ نے چپکے سے کتنے چراغ جلائے، یہ انقلاب آفرین نکاح آندھرا پردیش کے علاقے میں ہوا اور اس کے تقریباً ایک ہفتہ بعد احقر کے بڑے لڑکے محمد عبدالحئی کا نکاح علاقہ کرناٹک میں بمقام سیڑم منعقد ہوا نسبت ڈھائی سال قبل طے ہو چکی تھی۔

مولوی امیر علی صاحب کی فرمائش پر سلسلہ نقشبندیہ کے اجتماع میں شرکت کے لیے عرفان گڑھ پہنچے تعلقہ چنچولی حضرت والا کے ساتھ جانا ہوا وہاں سے حضرت نے سیڑم کا قصد فرمایا، اور راستے میں حضرت کے محبوب مرید بھائی عبدالباسط صاحب کو نہایت تیز بخار چڑھا، بخار کے عالم میں انہوں نے کہا ان شاء اللہ آج عبدالحئی صاحب کا نکاح ہوگا قبل ظہر سیڑم پہنچے، بعد ظہر دلہن کے والد قاضی محمد قطب الدین صاحب کی حضرت سے مختصر سی بات ہوئی ارشاد ہوا ان شاء اللہ آج بعد عصر آپ کی صاحبزادی کا نکاح اسی مسجد میں ہوگا، جواباً عرض کیا گیا دلہن اپنی والدہ کے ساتھ ظہیرآباد گئی ہوئی ہے، ارشاد ہوا ایک ہفتہ قبل ایسے ہی حالات میں ایک نکاح ہو چکا ہے آپ صرف قاضی صاحب کو بلا لیں آپ کو کچھ اور کرنا نہیں ہے حاضرین حیرت سے ایک دوسرے کا منہ تکتے رہے، بعد عصر بھائی عبدالباسط صاحب نے شدید بخار کے عالم میں حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہونے والا یہ نکاح نہایت سادگی سے ہو رہا ہے، حاضرین یہ نہ سمجھیں کہ فریقین غریب ہیں، سن لیں کہ دولہا ایم اے ہے ماہانہ 400 روپے تنخواہ کا مدرس ہے دلہے کے باپ لیکچرر ہیں اور دلہن والوں سے تو آپ واقف ہیں اصل یہ نکاح الدینُ یُسرٌ کا نمونہ عمل ہے، یہ نکاح کو آسان اور زنا کو مشکل بنانے والا نمونہ ہے غالباً یہ نکاح علاقہ کرناٹک میں اپنی نوعیت کا پہلا نکاح ہے اس لیے سارے مسلم معاشرے پر حجت ہے یہ صرف کہنے سننے کا نہیں کر کے دکھانے کا معاملہ ہے۔

دلہا سفر کے لباس میں بیٹھا ہوا ہے حضرت نے خطبہ نکاح پڑھا درد انگیز اور رقت میں ڈوبے ہوئے انداز میں تشریح فرمائی، مغرب سے عین قبل نکاح سے فراغت ہوئی دلہن دو دن بعد سیڑم پہنچی ایجاب کے حصول تک حضرت سیڑم ہی میں قیام فرما رہے حضرت دردؔ مدظلہ نے بحیثیت وکیل دلہن سے ایجاب لیا، بوقت واپسی جناب الحاج عطا اللہ صاحب قاضی سیڑم نے حضرت والا سے اپنے تاثرات بیان کیے اور گزارش کی کہ ان کی لڑکیوں کے نکاح کا حضرت خیال رکھیں، بس اسٹانڈ جاتے ہوئے حضرت نے بھائی عبدالباسط صاحب سے فرمایا کہ زیورات اور کپڑوں کے لیے شادیاں رک جاتی ہیں لیکن یہاں تو رشتہ داروں بلکہ دلہنوں کے بغیر شادیاں ہو رہی ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری مثال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے منجھلے صاحبزادے مولانا حافظ محمد جمال الرحمن صاحب کا نکاح ہے، احباب واقف تھے مولانا کے پیام کے لیے حضرت والا نے کوڑنگل کے مرکزِ فہمِ قرآن کی ایک ممتاز طالبہ کا انتخاب فرمایا جون 76ء میں سلسلہ عالیہ کمالیہ کے تیسرے ششماہی اجتماع کے اختتام پر بھائی عبدالباسط صاحب نے حضرت والا سے گزارش کی کہ اسی وقت کوڑنگل پہنچ کر نکاح کی تکمیل مناسب ہے، حضرت نے مشورے کا اشارہ فرمایا حسب الحکم مشورہ ہوا، چوبیس گھنٹے بعد یعنی اگلے دن بعد نماز عصر نکاح کا انعقاد طے پایا احباب نے بھائی عبدالباسط صاحب کی روایتی نبض دیکھی مولانا بخاری کو بخار چڑھ چکا تھا جو نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طرز کے نکاح کا پیش خیمہ ثابت ہوتا رہا تھا، کوڑنگل میں اطلاع بھیج دی گئی کہ بعد اثر نکاح ہوگا حیدرآباد سے پیرانی ماں صاحبہ مدظلہا کوڑنگل پہنچیں، اس سلسلے میں ایک نکتہ یہ بھی عرض ہے کہ حضرت والا کی نگاہ انتخاب مال و منال کے ساتھ ساتھ حسن و جمال سے بھی بلند ہوگئی، اور صرف فضل و کمال ہی وجہ انتخاب ثابت ہوا۔

ایک غریب وظیفہ یاب مدرس گھر کی لڑکی جس کا قلب قرآنی اسرار و معارف کا گنجینہ، جس کا قلم تخلیقی و تصنیفی صلاحیتوں کا ترجمان، جس کے جوابی بیاضات پر ممتحن کو لکھنا پڑا کہ یہ طالبہ مستقبل کی مصنفہ معلوم ہوتی ہے۔ جس کے دل دہلا دینے والے بیان نے شادی کی ایک تقریب میں مستورات کو اس قدر متاثر کیا کہ اسی محفل میں شرعی لباس پہنے گئے، اور نمازیں ادا کی گئیں الغرض یہ دلہن متاع دنیا **المراءۃ صالحۃ** کا نمونہ ہے، بعد عصر حضرت والا نے خطبہ نکاح پڑھا اور دس بجے شب یہ متاع خیر حیدرآباد پہنچ گیا، اول سے آخر تک یہ سارے نکاح خود وعظ ہیں، اور وہ بھی ایسے جن کی گونج سے ماحول کے کان عرصہ دراز سے نا آشنا رہے تھے۔

اس کی ایک تازہ ترین مثال جناب مفتی حافظ نوال الرحمن صاحب (جو حضرت ہی کے تیسرے صاحبزادے ہیں) کا نکاح ہے جو مکتھل کے ششماہی اجتماع کے آخری دن سلسلہ عالیہ کمالیہ قادریہ غلامیہ کی روایتی سادگی کے ساتھ انجام پایا، وابستگانِ سلسلہ حضرت والا کے فیضان نظر کے نتیجے میں ارادے کر چکے ہیں کہ مستقبل میں ہر شادی اسی انداز سے کی جائے گی۔

26 ربیع الثانی 1394ھ کی صبح ایک اللہ والے نے جس کی پگڈنڈی پر اپنے نقوش چھوڑے تھے اب وہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے شاہ راہِ حیات بنتے جا رہے ہیں خدا کرے یہ نظام سنت ساری کائنات میں نافذ العمل ہو جائے۔۔

آپریشن

بصارت سے بصیرت کی جانب میرا سفر۔۔۔

16 دسمبر 1974 عیسوی دو شنبے کی صبح اگرچہ آپریشن کے عنوان سے نمودار ہوئی، لیکن الحمدللہ اس کی تابانی میں فکر باطن کا نور بھی موجود تھا۔موتیا بند کے سلسلہ میں علاج کے لیے، ارباب دواخانہ نے حکم سنایا تھا کہ تاریخِ آپریشن سے دو دن قبل ہی شریک دواخانہ ہونا پڑے گا، پھر دس دن دواخانے میں رہنا ہوگا قدم دواخانے کی جانب اٹھنے لگے، دل اس حقیقت کا جائزہ لے رہا تھا کہ اس سپردگی اور تفویض سے پہلے ایک نسبت ڈاکٹر اور مریض کے درمیان قائم ہوتی ہے اپنی ذات کے جہل سے اور ڈاکٹر کی ذات کے علم کو سچے دل سے ماننے اور جانے بغیر علاج پر آمدگی اور تفویض کے نسبت قائم نہیں ہوسکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کے رحمٰن ورحیم ہونے کا علم قلب میں داخل ہوتا ہے تو ایاك نعبد وایاك نستعین ● کے ذریعہ عبدیت کا آغاز ہوتا ہے یہی وہ نسبت ہے جو عبد اور معبود کے درمیان قائم ہوتی ہے، اور اصلاح میں ایمان کہلاتی ہے۔

گھر کے ماحول سے نکلتے ہوئے روزمرہ کے مرغوبات وہ مالوفات کو چھوڑتے ہوئے لَن تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ● کا ادراک اراداتی انداز سے مستحضر تھا، نورِ بصر کے راستہ کی رکاوٹ کو دور کرنے کے لیے اپنے ارادہ اور عمل سے باہر نکل کر ماہرِ بصارت کے ارادہ اور عمل کو قبول کرنا ضروری ہے، تو نور بصیرت کے لیے ماہرِ بصیرت کے ارادے اور عمل کو قبول کرنا اور اس

سے زیادہ ضروری ہونا چاہیے، اور یہی پہلی باطنی منزلِ سلوک ہے جس کو اصطلاح میں "صالحیت" کہتے ہیں۔

ان تمام مراحل اور احوال سے گزر کر دواخانے میں داخلہ ملا اور ادھر ادراک نے آواز دی

لَنُدۡخِلَنَّهُمۡ فِي الصّٰلِحِيۡنَ ●

دواخانے کے سرجیکل وارڈ Surgical Ward میں داخل ہو کر معلوم ہوا کہ جن مریضوں کے درمیان رہنا ہے ان میں بعض وہ ہیں جو آپریشن کے بعد آرام لے رہے ہیں، اور بعض آپریشن کے انتظار میں ہیں، ہر چیز سے اجنبیت ٹپک رہی تھی ہر سانس میں زخموں اور دواؤں میں بسی ہوئی بو کا احساس ہو رہا تھا۔ بشری تقاضہ کے تحت کراہت بڑی شاق ہوتی ہے، وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡ ● یعنی اس مکروہ فضا میں جسم کے لیے صحت اور روح کے لیے خیر عطا کیے جاتے ہیں۔ آپریشن سے دو دن قبل دواخانے میں داخلہ کی حکمت یہ تھی کہ بعض امراض جن کی موجودگی میں آپریشن ناکام ہوجاتا ہے، ان کا امتحان کے ذریعہ جائزہ لیا جائے کھانسی، ذیابطیس اور خون کے دباؤ کا معائنہ ہوا۔ الحمدللہ کسی مرض کا شائبہ نہ تھا، کامل طمانیت ہوئی کہ آنکھ آپریشن کے قابل ہے، کیونکہ مشاہدہ یہ تھا بازو کے بستروں پر ایسے مریض بھی تھے جن کو مذکورہ عوارض میں سے کوئی نہ کوئی عارضہ لاحق تھا، اور آپریشن سے محروم تھے، ساتھ ہی اس حکمت کا بھی انکشاف ہوا جو بزرگانِ سلسلہ بیعت لینے میں ملحوظ رکھتے ہیں یعنی اپنی نظر بصیرت سے ایسے امراضِ روحانی کا پتہ لگا لیتے ہیں جن کی موجودگی میں نسبت موثر نہیں ہوتی، پھر مناسب طبع اذکار یا افکار کے ذریعے ان کا علاج کیا جاتا ہے اس کے بعد بیعت لی جاتی ہے۔

اس دوران طبیعت کا میلان فطرتاً ان امور کی جانب تھا جس کا آپریشن سے عین قبل اور

دورانِ آپریشن لحاظ رکھنا ضروری ہے، چنانچہ جن مریضوں کا آپریشن ہو چکا تھا ان سے فرصت کے اوقات میں انہی امور کے بارے میں بات چیت ہوتی رہی معلوم ہوا کہ 18 گھنٹے پہلے سے غذا روک دی جاتی ہے، چھ گھنٹے پہلے مسہل کے ذریعہ معدے کو دھو کر خالی کر دیا جاتا ہے، چونکہ اس عمل کی حکمتیں ڈاکٹر پر کھلی ہوئی ہیں اس لیے ہر مریض کو ان شرائط کی تکمیل کا حکم دیا جاتا ہے۔

چوں اور چرا کی گنجائش نہیں تزکیہ باطن میں بھی یہی ہوتا ہے حقیقی شرائط بیعت یہی ہیں کہ حواس کے ذریعے ملنے والے علم کے راستے بند کر دیئے جاتے ہیں سابقہ ذخیرہ علم کو قلب سے یکسر خالی کر دیا جاتا ہے تا کہ خالص علم صحیح قلب میں داخل ہو۔

چشم گوش اور لب با بندہ ہوش مند
گر نہ بینی راہِ حق برمن بخند

آخر یوم موعود آ پہنچا علم شہود میں تبدیل ہوتا گیا اور معلومات مشہود ہونے لگی وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ● وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ ● 18 دسمبر کی صبح سیدھی آنکھ کی پلک کے بال کاٹے گئے لیکن مریض پر کسی حکم کی حکمت عملی نہیں کھولی جاتی صرف تعمیل کرائی جاتی ہے۔

لباس بدلنے والا عملہ آیا، حکم ہوا کہ دواخانے کا لباس پہنے بغیر آپریشن تھیٹر میں داخلہ نہ ہوگا، اس لیے لباس بدل لیا جائے، یہ کہنے پر کہ موجودہ کپڑے دواخانے کے لباس سے زیادہ سفید اور صاف ہیں، عملہ کے لوگوں نے کہا کہ مریض کے کپڑے چاہے کتنے ہی سفید کیوں نہ ہوں کام نہیں آ سکتے، نتیجتاً لباس بدلا گیا، بدلنے کے بعد آپریشن کا علم گویا مشہود ہو گیا، سچ ہے ظاہر کا اثر باطن پر یقیناً ہوتا ہے، سب جن خاص نظروں سے دیکھ رہے تھے وہ صاف بتا رہی تھیں کہ اب میں سوائے آپریشن کے کسی کام کا نہیں ہوں، اور سوائے ڈاکٹر کے اب میری کسی سے نسبت نہیں، وَتَبَتَّلْ

إِلَيْهِ تَبْتِيلًا کا حال طاری تھا، سر پر سفید کپڑے کی ٹوپی پہنا دی گئی، گھٹنوں تک پاتابے پہنائے گئے آپریشن روم کے آہنی دروازے پر لے جایا گیا، اس جانے میں اپنا کوئی دخل نہ تھا، صرف ڈاکٹر کے حکم کا کامل استحضار تھا، گویا نفس مطمئنہ کو شان ربوبیت کے مشاہدے کی دعوت دی جا رہی تھی يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ ●

یہیں چہرے کے نصف سیدھے حصے پر سرخ رنگ کی دوائی لگائی گئی، غالباً اس کی دو حکمتیں تھیں ایک یہ کہ مکھی نہ بیٹھنے پائے دوسری یہ کہ بے حسی کے انجکشنوں کی تکلیف محسوس نہ ہو، اس بدلے ہوئے رنگ و روپ میں تینوں لڑکوں، اور برادر نسبتی جناب قاضی محمد قطب الدین صاحب نے آ کر دیکھا تو آبدیدہ ہو گئے ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ نہ صرف مریض کو بلکہ رشتہ داروں کو بھی آپریشن کا حال اس قدر مستحضر تھا کہ ہر شئے سے ذہول ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر اچانک اپنے چیمبر Chamber سے اسی لباس میں نمودار ہوا جس میں خود مریض ملبوس تھے یہاں کام کرنے والے سب ملازمین بھی اسی لباس میں نظر آئے بتایا گیا کہ کسی کو اس لباس کے بغیر آپریشن تھیٹر میں داخلہ نہیں ملتا شریعت کی اتباع میں متبع اور متبوع یکساں طور پر مکلف ہیں نبی ہو یا صدیق شہید ہو یا صالح کسی کو استثناء حاصل نہیں۔

یہاں سے آگے مریض کو آگے چلنے کی اجازت نہیں اسٹریچر پر ڈال کر ڈاکٹر کے قریب لے جایا گیا یہاں اپنے ارادے اور فعل کی کامل فنا کا ادراک ہوا، اور موتوا قبل أن تموتوا کہ حال کی تجدید ہوئی، چند لمحات اسی حالت میں لیٹے رہنا پڑا، ایک انجکشن رگ کے اندر دیا گیا جس سے پورے جسم میں گرمی کی لہر دوڑ گئی، ڈاکٹر ایک مریض کے دوران آپریشن، خصوصی ہدایتیں دے رہا تھا، اور عدم تعمیل پر برہم ہو رہا تھا، اس کے بعد ہماری باری تھی، دل میں خیال پیدا ہوا کہ انہیں

ہدایتوں کی تعمیل مجھے بھی کرنی ہے، تا کہ برہمی کی نوبت نہ آئے چنانچہ یہی ہوا کسی ہدایت کی نوبت نہ آئی۔

سیدھے کان کی لو کے نیچے بے ہوش کرنے والا انجکشن دیا گیا اور آنکھ کے اطراف اسی طرح کے چار انجکشن اور دیے گئے اس کے بعد کچھ کیا گیا اس کا احساس نہ ہوسکا، اس کے لیے کہ چہرے کا نصف حصہ بے حس ہو چکا تھا چیڑ پھاڑ کے عمل کی تکلیف اگر چہ موجود تھی لیکن انجکشن کا اثر غالب تھا اسی لیے تکلیف نہ موجود و محسوس ہو رہی تھی، جس قلب میں تملیکی نسبت مستحضر ہو لِّكَيۡلَا تَأۡسَوۡا عَلٰى مَا فَاتَكُمۡ وَلَا تَفۡرَحُوا بِمَا آتَاكُمۡ ● کے حال میں مستغرق ہو نیز نسبت فعل بمصداق کن کالمیت فی ید الغسال حال بن چکی ہو اس پر شدائد اور مسائل کا طوفان گزر جاتے ہیں لیکن محسوس نہیں ہوتے۔

جس آپریشن کی تیاری دو دن قبل سے جاری تھی اور جس کے بعد احتیاط کا سلسلہ دو ماہ تک باقی رہے گا لیکن خود آپریشن 15 منٹ میں مکمل ہو گیا نسبت باطنی کا بھی یہی حال ہے، قابل نسبت بنانے کے لیے تیاری کرائی جاتی ہے اور بعد نسبت مجاہدات کے ذریعہ حال و مقام کی حفاظت کا سلسلہ مدت العمر جاری رہتا ہے لیکن انتقالِ نسبت کی گھڑیاں مختصر ہی ہوتی ہیں۔

عمل آپریشن کے دوران ڈاکٹر کے مقصدی حرکت پر فکر ہوتی رہی، مقصد یہی ہوتا ہے کہ مریض کی آنکھ ٹھیک اسی طرح دیکھنے لگے جس طرح ڈاکٹر کی آنکھ دیکھتی ہے، فیضانِ نسبت بھی مقصدی ہوتا ہے مرید ٹھیک شیخ کی طرح انفس و افاق میں حق کا مشاہدہ کرنے لگے، سَنُرِيهِمۡ آيَاتِنَا فِي الۡآفَاقِ وَفِي أَنۡفُسِهِمۡ ●

آپریشن کے اختتام پر پپوٹوں کو ملا کر اس طرح ٹانکے لگائے گئے کہ پپوٹوں کی جبلی حرکت

بند رہے اور آنکھ کھلنے نہ پائے، قیام نسبت کے بعد سالک کو بھی بعض جائز امور میں رخصت کے بجائے عزیمت کی تلقین کی جاتی ہے۔

کم خورد، کم خواب و کم گفتار باش
گرد خود گردندہ چوں پرکار باش

دونوں آنکھوں پر سبز پٹی باندھی گئی، حالانکہ آپریشن صرف سیدھی آنکھ ہی کا کیا گیا تھا غالباً یہ اس لیے تھا کہ دیکھنے والی آنکھ کے ساتھ باوجود بند ہونے کے بند آنکھ کی بصارت بھی مصروف ہو جاتی ہے، لیکن دیکھنے کا عمل چونکہ سیدھی آنکھ کے لیے نقصان کا سبب ہوتا ہے اس لیے دونوں آنکھوں پر پٹی باندھی گئی، نسبت باطنی کا محل اگر چہ قلب ہے لیکن اعضاء پر پابندی اس لیے لگائی جاتی ہے کہ ہر حرکت کا اثر قلب پر پڑتا ہے۔

آپریشن سے فراغت کے بعد اسٹریچر کو دھکیل کر مریض کے بستر کے قریب لایا گیا اور پوری طرح احتیاط کے ساتھ لٹایا گیا تا کہ آنکھ کو جنبش نہ ہو، ضروری ہدایات دی گئیں کہ 24 گھنٹے تک چت لیٹا رہے بات نہ کرے اور جسم کو نہ ہلائے، مراقبات کی افادیت اور اہمیت کا احساس ہوا کہ استحضارِ کامل کے لیے مراقبات اولاً ضروری ہوتے ہیں، اس دوران متعلقین کے علاوہ محبی حافظ سید یوسف صاحب عیادت کے لیے آئے، خاموش ملاقات کے بعد واپسی ہوئی بھوک پیاس کا احساس نہ تھا لیکن بہ جبر دودھ کے قطرے دانتوں کی دراز سے ٹپکائے جا رہے تھے، اس لیے کہ داڑھ کی حرکت ممنوع تھی، قیامِ نسبت کے بعد کبائر کا ذکر ہی کیا صغائر بلکہ مشتبہات بھی سلبِ نسبت کا سبب بن سکتے ہیں، اس لیے حکم ہوا وَذَرُوا ظَاهِرَ الۡإِثۡمِ وَبَاطِنَهُ ●

چت لیٹنے کے حکم کی تعمیل 12 گھنٹے تک بہ آسانی کی گئی رات لیکن رات کے 12 بجے سے

کمر میں تکلیف کا آغاز ہوا، تکلیف کی شدت کا اظہار الفاظ میں ممکن نہیں، حالت اضطرار میں زبان سے اللہ اللہ کا ورد شروع ہوا، طریق نقشبندیہ میں حبسِ دم کے ساتھ سلطان الاذکار کا التزام ایک سانس میں 33 دفعہ ہوتا ہے، لیکن تعداد بلاشبہ اس سے زیادہ ہوگئی تھی، الحمدللہ ایں ہمہ طوفانِ درد دل مطمئن تھا اور محلِ صبر یہی دل ہے اور یہی صبر مصداق استعانت ہے یہ ادراک بھی مستحضر تھا طاقتِ صبر بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ●

24 گھنٹوں کے بعد بائیں کروٹ لیٹنے کی اجازت ملی، پابندیاں برخاست ہونے لگیں تو شکر کی یافت قلب میں ہونے لگی، محلِ نعمت میں استعانت کا مصداق یہی شکر ہے وَ اشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ● اس دوران ہر روز وقت مقررہ پر ڈاکٹر پٹی کھولتا آنکھ کے اندر باہر دیکھتا دوا لگاتا اور نئی پٹی باندھتا رہا، شیخ بھی مرید کے اعمال و احوال کی اسی طرح خبرگیری بھی اور تربیت کرتا ہے، سالک کا کام صرف اتنا ہے کہ اپنے ارادے کو دخل نہ دے وَما آتاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَما نَهاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا● قیام دوسری منزل پر تھا، ایک دن نیچے کی منزل پر اتارا گیا، اس لیے کہ امتحان کا کمرہ اسی منزل میں ہے ساتھ ایک اور مریض بھی تھے جن کا آپریشن ایک ہفتہ قبل ہوا تھا دونوں کی آنکھوں کا امتحان لیا گیا بصارت ٹھیک کام کر رہی تھی البتہ دوسرے مریض جن کی عمر زیادہ تھی ان کی بصارت مدہم تھی، انہوں نے شکایت کی ڈاکٹر نے جواباً کہا کہ قوت بصارت موجود ہو تو آپریشن کا عمل مانعِ بصارت یعنی موتیا کو دور کر دیتا لیکن قوت بصارت ہی موجود نہ ہو تو آپریشن فائدہ نہیں دے سکتا، اس پر ایک حقیقت مستحضر ہوئی کہ نبی ہو یا شیخ حسبِ استعدادِ ذاتی سالک کی تعلیم و تربیت کرتا ہے، لیکن عدم استطاعت کی صورت میں تعلیم و تربیت فائدہ نہیں پہنچا سکتی، جس طرح مریض کی استعدادِ صحت ہی ڈاکٹر سے گویا اس کا سوال ہے، اس طرح معلوم کی استعدادِ ذاتی ہی خالق

سے اس کا سوال ہے، جسکے جواب میں وجود بخشی ہوتی ہے وَآتَاكُم مِّن كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ●

دواخانے کے قیام کے دوران اطلاع ملی کہ حضرت اقدس ماہانہ دورے پر تشریف فرما ہیں، محرومی کا احساس ہونے لگا جسماً دوا خانے میں لیکن بہ اعتبار توجہ گویا حضرت والا کے سامنے تھا، معیت شیخ کے اسرار کی تجدید ہوئی، بلاشبہ معیتِ جسمانی برسوں کی خالص اور عبادت پر بھاری ہے، لیکن حقیقت معیت یہ ہے کہ اپنے علم کی جگہ شیخ کا علم مستحضر رہے، اور اپنے عمل کی جگہ شیخ کا عمل، یہی استغراق یا فنائیت ہے، اس کے بعد جب خود کو تلاش کرے تو شیخ ہی کے علم و عمل کی یافت ہو، یہی تمکّنِ حال ہے اور اصطلاح میں مقام، اگر شیخ کی صحبت و معیت سے یہ حقیقت حاصل نہ ہو تو جسمانی قرب و معیت کے باوجود سالک شیخ سے دور ہے۔

معشوق و عشق عاشق ہر سہ یک است اینجا
چوں وصل درنہ گنجد ہجراں چہ کار دارد

دو ہفتوں کے قیام کے بعد دوا خانے سے واپسی عمل میں آئی لیکن ابھی سورج کی روشنی کو دیکھنے کی اجازت نہیں ہے، اسی لیے آنکھ پر پردہ باندھ دیا گیا، حسبِ استعداد استفادہ نور کی اجازت ملتی ہے، جب بصارت ٹھیک ڈاکٹر کی بصارت کی طرح ہو جاتی ہے تو حجاب اٹھا دیا جاتا ہے۔

حجاب ان پر نہیں اپنی نگاہ نارسا پر ہے
اٹھائیں کب اسے وہ جانتے ہیں اہتمام اپنا

اس تمام عرصے میں حضرت اقدس کا ایک اور ارشاد عمومی طور پر مستحضر رہا کہ بیماری سے حقیقت کھلتی ہے، ہماری مجبوری اور عاجزی اظہار مرض کے دوران حالتِ اضطرار میں نکلنے والے ان الفاظ سے ہوتا ہے "کیا کروں اور کیسے کروں" یہی عجز و اضطرار ہماری حقیقت ہے صحت کی حالت میں قدرت و

اختیار جو ہمیں حاصل رہتے ہیں ان کی حیثیت امانی ہے، اصالتاً یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں، زندگی کا کوئی واقعہ نفع نقصان کا ہو یا رنج وراحت کا، علم صحیح مستحضر ہو تو معرفت کا آئینہ ہے اور جہل یا غفلت کی صورت میں حجاب۔

والحمد للہ رب العالمین۔

جو بیٹھو باادب ہو کر

راہِ طریقت میں صحبتِ شیخ کیمیا ہے، اسی لیے ہمارے اسلاف نے صحبت کی عجیب مثالیں چھوڑی ہیں، اکثر بزرگوں نے اپنے شیوخ کے آستانوں پر عموماً 12 سال اور بعضوں نے 20 اور 25 سال اپنے آپ کو ڈالے رکھا، اور جب تک نفس کا تزکیہ، قلب کا تصفیہ، روح کا تجلیہ اور سر کا تخلیہ شیوخ کی نظروں کے سامنے مکمل نہیں ہو گیا آستانوں سے نہیں لوٹے، بُعدِ زمانی کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ مقصودِ سلوک آنکھوں سے اوجھل ہوتا گیا اور اس کے نتیجے میں صحبت شیخ کی اہمیت گھٹتی چلی جا رہی ہے، چنانچہ سالکین کے تین طبقے نظر آتے ہیں:

۱) پہلا طبقہ ان سالکین کا جو مجرد داخل بیعت ہونے کو مقصود سمجھتے ہیں ان کے لیے ایسی بیعت ہی حجاب بن جاتی ہے۔

۲) دوسرا طبقہ ان سالکین کا ہے جو بیعت کے بعد اپنی مناسبت طبع کے لحاظ سے علم وذکر کی تعلیم شیوخ سے حاصل کر لیتے ہیں، اور اسی حصول کو مقصد سمجھتے ہیں، یہ بھی حجاب ہے اس لیے کہ تعلیم کے بعد تربیت کے لیے صحبت شیخ کا التزام ضروری ہوتا ہے، اور تعلیم بغیر تربیت ومجاہدہ بے فیض ہے۔

۳) تیسرا طبقہ ایسے سالکین کا ہے جو بیعت کے بعد مسلسل صحبت شیخ اختیار کر کے تعلیم کے ساتھ ساتھ مجاہدات کے ذریعہ تربیت وتزکیہ کے منازل بھی طے کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں صالحیت، شہادت، صدیقیت کے مقامات حاصل کر لیتے ہیں یہ محجوب نہیں محبوب ہیں۔

اب مختصراً ظاہری آدابِ صحبتِ شیخ ملاحظہ فرمالیں:

● شیخ کی خدمت میں حاضری کے وقت کمالِ ادب ملحوظ رہے۔

- نظر کے دو طریق بتائے گئے ہیں اپنی نظر شیخ کے چہرے پر مرکوز رہے اگر بوجہ ہیبت و وقار ایسا نہ کر سکے تو اپنی نظر اپنے سینے یا قدم پر رکھے۔
- مجلس میں داخل ہو تو نہ بہت تیز چلے اور نہ بہت آہستہ مجمع کثیر ہو تو سلام کے بعد جہاں جگہ پائے بیٹھ جائے نہ شیخ کے قریب پہنچنے کی کوشش کرے اور نہ مصافحے و معانقے کی سعی کرے۔
- ارشاات ِشیخ بکمالِ توجہ سنتا رہے۔
- شیخ کے روبرو یا پیچھے نہ تو نفل نماز پڑھے اور نہ تلاوت و ذکر کرے۔
- وقفہ سوالات کے دوران خالص استفادہ کی نیت سے سوال کرے اپنی آواز شیخ کی آواز سے بلند نہ کرے۔
- نہ اس قدر آہستہ بولے کہ سننے میں تکلیف ہو۔
- کسی کو بلند آواز سے طلب نہ کرے۔
- معمولی ضرورتوں پر مجلس سے نہ اٹھے۔
- اونگھ یا نیند کا غلبہ ہو تو بہتر ہے مجلس سے اٹھ کر بعد وضو شریک ہو۔
- اگر شیخ کوئی سوال کرے تو بکمالِ انکساری جواب عرض کرے اگر شیخ کا ارشاد یا اشارہ پائے تو فوراً تعمیل کرے۔

آئینہ قادریت میں امت مسلمہ کا عکس

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمت اللہ علیہ نے اپنی انقلاب آفریں حیات دنیا کے سامنے اس طرح پیش فرمائی کہ ایک طرف جاہل عوام کو علم صحیح کا چہرہ بتایا کہ دوسری جانب علماء اور صوفیوں کے دلوں سے مصلحت و بے عملی کا نقاب نہایت جرات و بیباکی سے اٹھایا، اپنے علم و عمل کی بنیاد کتاب و سنت پر رکھی اور کتاب و سنت پر اعتراض کرنے والے ہر فرد امت کے لیے چاہے وہ کسی پوشاک میں ہو، حق کا تازیانہ ثابت ہوئے۔

وقت کے اس مجددِ اعظم کو حق کی پیشکشی سے نہ حکومت و اقتدار کا رعب و جلال روک سکا نہ ہی مصلحت اندیشی ان کی راہ میں حائل ہو سکی، نہ کفر کے فتوے ان کی مبارک توجہ کو خرید سکے، سبب یہ تھا کہ وہ راہ ولایت میں خالصتہ للہ ہو گئے تھے، اس لیے جادہ خلافت پر اللہ ان کا ہو گیا تھا، بہت سے وہ تھے جو توحید کی مستی میں ہوش سے عاری ہونے کو کمال سمجھتے تھے، اور کئی وہ بھی تھے جو کشف و کرامات کو شرطِ ہدایت و ولایت خیال کرتے تھے، اور ان سب سے زیادہ تعداد ان کی تھی جو شرک و بدعت اور فسق و فجور پر اس لیے اصرار کرتے تھے کہ شفاعت یقینی ہے۔

حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے ہر ایک کا ہاتھ پکڑا توحید و رسالت کا صحیح علم سامنے رکھا، اور عمل کے لیے اپنی زندگی کا نمونہ پیش فرمایا اسی لیے وہ دستگیر کہلائے۔

معجزے ہوں کہ کرامات مقصدی ہوتے ہیں خود مقصد نہیں ہوتے ان کا مقصد اعلائے کلمۃ الحق اور دعوتِ دین ہوتا ہے۔

محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندۂ آزاد خود اک زندہ کرامات

کہ مصداق حضرت غوث اعظم کرامات کے پیچھے نظر نہیں آتے البتہ کرامتیں آپ کے پیچھے پیچھے نظر آتی ہیں۔

تقریباً آٹھ صدیوں بعد آج بھی امت کی اکثریت حضرت کے کمال کو کرامت ہی میں محدود دیکھنا چاہتی ہے حالانکہ ایک طالب بیعت سے حضرت نے ارشاد فرمایا تھا " اتباع سنت سب سے بڑی کرامت ہے " وقت کی ان خانقاہ نشینوں اور لبادہ پوشوں کو جن کی توحید میں شرک کا جھول تھا ،اتباع سنت میں بدعت کی آمیزش تھی اور صدق میں نفاق کا شائبہ تھا، حضرت نے للکارا کہ آؤ عبدالقادر کی نظرِ بصیرت کے سامنے تمہارے خفیہ گناہوں کی فہرست اللہ کے فضل سے کھول دی گئی ہے، آؤ! اپنی تسبیحوں کو توڑ ڈالو اپنی عباؤں کو پھاڑ ڈالو اپنے سجادوں کو چاک کر ڈالو تب عبدالقادر تمہیں بتائے گا کہ صحیح توحید کیا ہے، اور اتباع رسالت کسے کہتے ہیں ،حضرت کی نظر تربیت کے سامنے لاکھوں نے توبہ کی خود درست ہوئے اور اللہ نے انہیں داعیانہ شان عطا فرمائی اور وہ اپنی آخری سانس تک خلق خدا کی رہبری کرتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

حضرت غوث اعظم کا سلسلہ " قادریہ "کہلاتا ہے، اقطاع عالم میں یہ سلسلہ پھیلتا جا رہا ہے ،لیکن یہ ایک دل خراش اور نا قابلِ انکار حقیقت ہے کہ جس شدت سے حضرت غوث اعظم نے شرک و بدعت کا ابطال فرمایا تھا اور جس محنت شاقّہ سے توحید اور سنت کا احیاء فرمایا تھا، اسی شدت سے اور حضرت ہی کا نام لے کرامت مسلمہ کی اکثریت شرک اور بدعت کا پرچم لہرا رہی ہے، اس سے بھی زیادہ غم انگیز اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ خود قادریت کے علمبرداروں کی اکثریت اس بات کو دن

کے اجالے میں دیکھتے ہوئے بھی خاموش ہے، غالباً مصلحت کا آئینی حصار انہیں روکے ہوئے ہے کہ اگر عوام کے مزاج اور روش کے خلاف آواز اٹھائی جائے تو وہابیت اور کفر کے فتوے ان کی قادریت کو پارہ پارہ کر ڈالیں گے۔

غرض یہ ہے کہ اگر ان کی قادریت اتنی فرومایہ اور کمزور ہے تو اسے حضرت غوث اعظمؒ سے کوئی نسبت نہیں کیونکہ حضرت نے صاف فرمایا تھا کہ اللہ تعالی نے شرک و بدعت کے خلاف عبدالقادر کو شمشیر بے نیام بنا کر دنیا میں بھیجا ہے پھر وارثوں کے ہاتھ میں وہی شمشیر بے نیام کیوں بند پڑی ہے؟ محبوب سبحانی نے اعلان فرمایا تھا کہ اس حالت میں مسلمان اللہ کی ذات کے سوا غیر سے مدد نہ مانگے کیونکہ نفع وضرر کا مالک صرف اللہ ہے، لیکن قادریت کی حقیقت سے جاہل رہ کرامت کے اتنے سر آج محبوب سبحانی کے چھلوں پر جھک رہے ہیں جنہوں نے شرک سے منع کیا تھا، انہیں اللہ کا شریک بنایا جا رہا ہے اور امت کے اکثر علماء ومشائخین اس منظر کو دیکھتے چلے آرہے ہیں، مساکین کو کھانا کھلانا بے شک مستحب ہے، خود غوث اعظم نے بھی کھانا کھلایا تھا، لیکن مستحب کو مستحب ہی کے مقام پر رکھا ،فرض یا واجب کا درجہ نہیں دیا، آج بعض وہ ہیں جو مجرد ایصالِ ثواب کی نیت سے کھانا کھلاتے ہیں، اس کی شرعاً بطریقِ مسنون اجازت ہے، لیکن ناز ونیاز کے عنوان سے امت کے کثیر افراد شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں، کیونکہ فقہ کی رو سے نذر ونیاز بنام غیراللہ صریحاً شرک ہے اور اگر صرف اللہ کے لیے ہو تو جائز ہے، دیہات اور شہر کے لاکھوں مسلمان اس شرک کو خیر سمجھ کر نسل بانسل سے اس پر عامل ہیں اور اگر اصلاح نہ ہو تو اسی شرک پر ان کی موت واقع ہوگی اور ہو رہی ہے،

کیا مشائخین سلسلہ قادریہ بھی اپنے خانقاہوں سے باہر نکل کرامت کے ان افراد کو قادریت کا آب حیات نہ پلائیں گے؟ حضرت غوثِ اعظمؒ نے تو ہزاروں لاکھوں غیروں کو توحید ورسالت آشنا

بنایا تھا لیکن وابستگانِ سلسلہ قادریہ آخر کن آنکھوں سے اپنوں کو شرک و بدعت پر مرتے دیکھ رہے ہیں۔

اولیاء اللہ کے داعیانہ نظام کے دو پہلو ہوتے ہیں:

۱) دعوت دین

۲) دعوت قرب

دعوتِ قرب اہلِ استعداد یا خواص تک محدود ہوتی ہے لیکن دعوت دین بلا امتیاز ساری ملت کے لیے ہوتی ہے، دعوت قرب کو جاری رکھا گیا ہے لیکن دعوت دین جو زیادہ محنت طلب ہے باقی نہ رہی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ روح قادریت "کان کی بات" بن کر خواص تک محدود ہو کر رہ گئی اور عوام جہل و غفلت میں شرک و بدعت کا شکار ہوتے رہے۔

فرائض واجبات اور سنن سے غافل ہو کر اگر نفل و مستحب کا اہتمام کیا جائے تو خود فرماتے ہیں ایسے اعمال قیامت کے دن رد کر دیے جائیں گے اور باعث لعنت ہوں گے۔

ان حالات میں ضرورت ہے کہ علمائے کرام اور وابستگانِ دامن قادریت حضرت غوث اعظمؒ کے علم و عمل اور عزم و ہمت کے سچے وارث بن کر عقائد عبادات معاملات اخلاق کی اصلاح کے لیے اپنے خانقاہوں سے نکلیں مسکراتے ہوئے مصائب برداشت کریں تادم آخر اصلاح امت کا کام انجام دیں، مخفی مباد کہ روئے سخن ان اکابر امت کی جانب نہیں ہے، جو افراط و تفریط سے بچ کر داعیانہ روش پر جادہ پیما رہے ہیں۔۔

مقصودِ کل

ارض و سماوات اور ان کے درمیان جو کچھ ہے انسان کے لیے مسخّر کر دیا گیا ہے وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ● اور مشاہدہ بھی یہی ہے کہ ساری اشیائے کائنات انسان کی خادم بنادی گئی ہیں، ذرے سے آفتاب تک، قطرے سے سمندر تک، سب کے سب ہر آن انسان کی خدمت میں مصروف ہیں، نتیجتاً انسان مقصودِ کلِ مخلوقات ثابت ہوتا ہے۔

اشیائے کائنات اور انسان کے درمیان جو نسبت پائی جاتی ہے، وہ انسان کے مقامِ بلند کا تعین کرتی ہے، جب سب چیزیں انسان کی خدمت کر رہی ہیں تو انسان ان سب سے افضل ثابت ہوا، یعنی اب یہ خدمت لینے والا اپنے خادموں میں سے کسی کے آگے اپنا سر نہیں جھکا سکتا، فرش سے عرش تک کسی کی اطاعت اور عبادت نہیں کر سکتا، کیونکہ ایسا کرنا اس کی شان کے خلاف ہے، فرشتے عرش و کرسی لوح و قلم سب اس کے خادم ٹھہرے، دوسری طرف زمین اور خلا میں کوئی ایسا نہیں جو اس کا خادم نہ ہو، اس لیے ان میں سے بھی ہر شئے انسان کی خادمہ ثابت ہوئی، اس کے علاوہ چونکہ ہر انسان بالقوہ اسی مقامِ بلند پر پیدا کیا گیا ہے، اسی لیے ایک انسان دوسرے کے آگے بھی اپنا سر اطاعت نہیں جھکا سکتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مقصودِ کل انسان ہے تو مقصود انسان کیا ہے؟ اس کا جواب خود انسان کے ضمیر میں ودیعت کیا گیا ہے، اشیائے کائنات میں انسان کی برتری جو ثابت ہے وہ ان

صفات انسانی کے سبب سے ہے جو اسے اشیائے کائنات سے ممتاز کرتی ہے، لیکن خود انسانی زندگی بھی نقائص سے خالی نہیں ہے، مثلاً پیدا ہونا، بیمار ہونا، مرنا، ذات انسانی کے نقائص ہیں، اور ساتھ ہی یہ ایسے افعال ہیں جن کے حدود میں انسان اپنے آپ کو مجبور پاتا ہے، اور اسی مجبوری سے ایک مختار ذات کا شعور نصیب ہوتا ہے جس کے افعال ہر آن انسان اور اشیائے کائنات پر جاری ہیں، انہیں افعال کے ظہور سے اس ذات عالی کا انسان اور کائنات پر غلبہ اور تصرف ثابت ہوتا ہے، اور انسان کو ماننا پڑتا ہے کہ عالم انسانی کا مقصود وہی مختار اور متصرف ذات ہے جس کا نام اللہ ہے، انسان اپنے اندر و باہر اسی ذات کے کمالات پاتا اور دیکھتا ہے، لیکن علم باطل یا جہل کے نتیجے میں ان کمالات کو خود اپنی ذات سے اشیائے کائنات سے منسوب کرتا ہے، یہی شرک ہے جو انسان کو مقصود اعلیٰ سے جدا کرتا ہے، لیکن علم صحیح کی روشنی میں اگر انسان نقائص کو اپنی ذات سے اور کمالات کو اللہ سے منسوب کرے تو یہی توحید ہے، توحیدِ حقیقی ہے، جس طرح انسان کائنات میں مقصود کل ہے اسی طرح عالم انسانی کا مقصد ذات اللہ ہے، اشیائے کائنات کی معراج انسان کی خدمت کر کے عالم انسان میں فنائیت ہے تو عالم انسانی کے معراج ذات الٰہی کی عبادت و اطاعت کے ذریعہ اسی میں فنائیت ہے نفس کا ایمان بہت بڑی نعمت ہے ہر انسان فطرتاً اس نعمت کا جویا ہے، لیکن علم صحیح کے فقدان کے سبب اپنے خادموں کو مقصود جان کر ان کے حصول کے ذریعے اطمینان حاصل کرنے کی سعی کرتا ہے لیکن چونکہ اشیائے کائنات سبھی اس کے خادم ہیں اسی لیے انسان کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا، چاہے وہ اس اطمینان کی تلاش میں سمندر کی تہہ میں پہنچ جائے یا آسمانوں اور خلاؤں کو کھنگال ڈالے اس کا اطمینان توصرف اس مقصود حقیقی تک پہنچنے میں ہے، اور وہ اللہ کی ذات ہے

برمقامِ خود رسیدن زندگیست
ذات را بے پردہ دیدن زندگیست

اپنے سے کمتر کے آگے جھکنا قلب انسانی کو اطمینان نہیں دلا سکتا، تخت ہو یا تاج ہو، مال ہو یا دولت، عزت ہو یا حکومت سب انسان سے کمتر اور اس کے خادم ہیں، اسی لیے ان میں سے کوئی بھی فطرت انسانی کے ظرف کو نہیں بھر سکتی ہے، قلب انسانی کا ظرف تو صرف اللہ کے دیدار سے بھر سکتا ہے جو آثار و افعال الٰہی کی جہت سے اس دنیا میں ممکن ہے، لیکن ذاتِ الٰہی کے جہت سے مرنے کے بعد آخرت ہی میں ممکن ہے، ایک اور اہم حقیقت یہ ہے کہ آثار و افعال کے ذریعے اس دنیا میں جس قدر دید حاصل ہوگی وہی عالم آخرت میں ذات کی دید میں بدل دی جائے گی اور یہاں جس کو مطلقاً دید حاصل نہ ہوگی وہ عالم آخرت میں مطلقاً اندھا اٹھایا جائے گا وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى ● یعنی جو شخص اس عالم میں مقصود حقیقی سے بے خبر رہ کر اشیاء کائنات میں سے کسی کو اپنا مقصود بنا کر اس کے حصول کی سعی میں زندہ رہے گا اور اسی سعی میں مرے گا وہ اندھا ہے، اور اندھا ہی اٹھایا جائے گا اور یہ اندھا پن دوامی ہوگا اور یہ محرومی دوامی ہوگی۔

آدمی دید است باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است

اللہ عزوجل ہر قلب انسانی کو مقصودِ حقیقی اور حصولِ مقصود و علم صحیح اور اس علم کی روشنی میں ذاتِ مقصود تک پہنچنا نصیب فرمائے۔ آمین۔۔۔

ادب اور مقصدیت

حیاتِ انسانی بے مقصد نہیں، ابتدائے آفرینش سے اب تک انسانی قافلے کی حرکت اپنی فطری منزل کی جانب جاری رہی ہے، مقصدیت کو کسی طرح حیاتِ انسانی سے جدا نہیں کیا جا سکتا، زندگی اور مقصدیت لازم وملزوم ہے، انسان کی ہر حرکت مقصدیت کی آئینہ دار ہوتی ہے ذریعہ اظہار Medium کے فرق سے بامقصد حرکتیں مختلف فنون لطیفہ کے نام پاتی ہیں۔

دست انسانی کی محنت جو چٹانوں پر کی جاتی ہے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہوتی ہے فن تعمیر کہلاتی ہے، یہی محنت جو کاغذ یا پردے پر پنسل یا رنگ سے کی جاتی ہے فن مصوری کا نام پاتی ہے، انسانی حلق یا ساز پر جو محنت ہوتی ہے اسے فن موسیقی کہتے ہیں، اسی طرح لطیف ادراکاتِ انسانی پر تحریر کی صورت میں محنت کی جاتی ہے وہ ادب وہ شاعری کہلاتی ہے، ان تمام فنون لطیفہ میں مقصدیت کی روح مشترک ہے، اگرچہ کے ذریعہ اظہار (میڈیم) کہیں ہاتھ ہے کہیں آواز ہے اور کہیں تحریر ہے لیکن ان سب کا مقصد حسن کی تخلیق اور اس سے استفادہ ہے، فطرت انسانی میں جستجو ودیعت کی گئی ہے جو اسے خوب سے خوب تر کی تلاش میں بے چین رکھتی ہے، جب انسان کسی فن لطیفہ کی تخلیق کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر سن کر یا محسوس کر کے اپنے دل میں لذت وسرور پاتا ہے، یہی دلِ

انسانی کی جمالیاتی قدر (Aesthetic Value) ہے لیکن بہت جلد وہ اس سے بیزار ہو کر حسین تر کی تخلیق کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے، ترجمان حقیقت علامہ اقبال اس حقیقت کو اس طرح پیش کرتے ہیں:

ہزاروں سال بافطرت نشستم
باو پیوستم واز خود گستم
ولیکن درگذشتم ایں دوحرف است
تراشیدم، پرستیدم، شکستم

اب غور کے قابل ایک اور سوال رہ جاتا ہے کہ اس تگ وتاز مسلسل کا منتہی کیا ہے؟ جس تک پہنچنے کے لیے تراش وشکست کا لامتناہی سلسلہ جاری ہے؟ لذت وسرورِ ابدی کا منبع حسن کامل ہے جو ادراکِ انسانی کی اصطلاح میں خدا کہلاتا ہے، انسانی زندگی اور اس کی حرکت کا مقصد اسی حسن کامل تک پہنچنا ہے۔

برمقام خود رسیدن زندگیست
ذات را بے پردہ دیدن زندگیست

حسنِ کامل تک رسائی کے لیے انسان کی فطرت میں عشق کا جذبہ عطا کیا گیا ہے، مشاہدہ جمال کامل کی ہر انسانی کوشش اسی جذبہ عشق کی غماز ہے۔

دل زندہ کے دادی بہ حجاب درنہ سازد
نگہے بدہ کہ بنید شررے ز سنگ خارا

اس عالم میں اگرچہ حسن مطلق کی کُنہ تک رسائی انسانی مقید ادراک کے بس کی بات نہیں لیکن کائنات

میں اسی حسن مطلق کی تجلیات کا مشاہدہ رنگ وصورت یا ادب وشاعری کے آئینوں میں ممکن ہے۔

طویل حیات انسانی کے ہر عہد میں ادب کی تخلیق سے پہلے اور بعد حضورِ حسن کامل سے نکالا ہوا یہ انسان پھر اسی حضور میں پہنچنے اور مشاہدہ ذات کے ابدی مسرت میں کھو جانے کا متمنی رہ رہا ہے، ذیلی اور ضمنی بے شمار مقاصد اس مقصدِ اعظم تک پہنچنے کے لیے انسانی حیات کے سامنے آتے ہیں، بظاہر انسان ان ذیلی مقاصد میں گم نظر آتا ہے اور اس کی ادبی وفنی تخلیقات میں بھی یہی ذیلی اور ضمنی مقصدیت جھلکتی نظر آتی ہے، ہر راستے میں جس طرح نشیب وفراز ہوتے ہیں اسی طرح اس راہ یعنی مشاہدہ جمال کامل میں بھی قافلہ انسانی نشیب وفراز سے گزرتا رہا ہے، اسی لیے کبھی تو زندگی کو مقصد سمجھ کر فکر انسانی نے ادب برائے زندگی کا نعرہ لگایا۔

دل و دیدہ دارم ہمہ لذت نظارہ
چہ گنہ اگر تراشم صنمے ز سنگِ خارا

کبھی شاہی ایوانوں میں مادی عیش کے خلاف اور موت وحیات کی کشمکش میں تڑپتے اور سسکتے ہوئے مزدور کی حمایت کے لیے ادب کا سہارا لیا گیا اور ادب سے انسانی کانوں نے یہ نعرہ سنے۔

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخ امراء کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہیں روزی
اس کھیت کے ہر گوشہ گندم کو جلا دو

لیکن یہ ایک نا قابل ہے انکار حقیقت ہے کہ ادب نہ سرمایہ داروں کی ملکیت ہے اور نہ مزدور

کی وہ تو محض مقصد انسانی کے اظہار کا ذریعہ ہے، وہ کسی گروہ کی حمایت کرتا ہے اور نہ دوسرے کی مخالفت، وہ ہر مقصدی حرکت کو آئینہ دکھاتا ہے ادب کی اس حقیقت کو ایک وجدانی مثال کے ذریعے با آسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ پانی اپنی ذات کا ایک مقصد اعظم رکھتا ہے، اور وہ ہے حیات آفرینی لیکن جس ماحول سے پانی گزرتا ہے اس کے تقاضوں کے مطابق اس کا وجود سرگرمِ عمل ہوجاتا ہے، یعنی فراز سے نشیب کی طرف بہتا ہے تو فطرتاً اس کی رفتار تیز ہوجاتی ہے، شور وغوغا کرتا زمینوں کو کاٹتا اور اگر راہ میں چٹانیں حائل ہوجائیں تو ان سے صرف نظر کر کے اپنا راستہ نکال لیتا ہے، حالانکہ نہ شور وغوغا اس کا مقصدِ اصلی ہے اور نہ زمینوں کو کاٹنا بلکہ اس کا مقصد اعظم تو کشاں کشاں ہر ماحول اور ہر مقام سے آگے بڑھتے رہنا ہے، اگر آگے بڑھ کر وہ کسی گڑھے میں جمع ہوجائے اور کسی زرخیز زمین تک نہ پہنچ سکے تو وہ سڑنے لگتا ہے، اور اس میں بدبو پیدا ہوجاتی ہے، اب وہی پانی جس کا مقصد حیات آفرینی ہے اس میں موت کے آثار پیدا ہونے لگتے ہیں۔

ادب اگر اپنے مقصد اصلی سے دور رہے تو اس کا بھی ٹھیک یہی حال ہوجاتا ہے طوفانی ہوائیں جب سمندری پانی کو حرکت میں لاتی ہیں تو کتنے ہی جہاز تلاطم کی آغوش میں گم ہوجاتے ہیں، اور سورج کے شعاؤں سے جب یہی پانی بخارات کی شکل میں آسمانوں پر بلند ہوتا ہے، اور بادلوں کی شکل اختیار کر کے زمین پر برستا ہے تو حیات آفرینی کہ مظاہرے بھی دیکھے جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ حیات آفرینی ہو کے موت آفرینی دونوں پانی کے ماحول اور طرز استعمال پر منحصر ہیں، پانی کی ذات میں دونوں کی استعداد وصلاحیت موجود ہے، اب یہ انسان کا کام ہے کہ وہ اس کی تعمیری استعداد سے کام لے کر اسے اپنے اہم ترین مقصد کی تکمیل کے لیے استعمال کرے۔

اسی طرح ادب کی قدر و قیمت انسان کی مقصدی حرکت کے مطابق معیّن ہوتی ہے اپنی کم

نگاہی سے انسان گھٹیا درجے کے مقاصد کے حصول کی سعی کرتا ہے، تو اس کے اس عہد کا ادب بھی اس کی نادانی کا ترجمان ہوتا ہے، لیکن فطرت انسانی اسے اشارہ کرتی ہے کہ:

تری آگ اس خاکداں سے نہیں
جہاں تجھ سے ہے تو جہاں سے نہیں

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ ہر ایسے موڑ پر جبکہ انسان اپنے مقصدِ اصلی سے ہٹ گیا حسنِ کامل نے اپنے ادب کے ذریعے اس ادب کو ادب سکھایا، الٰہی ادب سے مراد وہ کتب سماوی ہیں جن میں انسان کو اس کی زندگی کے مقصدِ اعظم سے آگاہ کیا گیا، الٰہی ادب سکھانے کے لیے الٰہی مؤدب بھی بھیجے گئے، جنہوں نے ادب کو ادب سکھایا، اور ذیلی چیزوں اور مقصدوں میں کھوئے ہوئے انسانوں کو آواز دی کہ اس کائنات سے آگے مشاہدہ جمالِ کامل کی طرف بڑھ جائے۔

یہ عالم یہ ہنگامۂ چشم و گوش
جہاں زندگی ہے فقط خور دونوش
خودی کی ہے یہ منزلِ اولین
مسافر یہ تیرا نشیمن نہیں
بڑھے جا یہ کوہ گراں توڑ کر
طلسم زمان و مکاں توڑ کر

اور انسان کی آخری منزل کی اس طرح نشاندہی کی ہے۔

در دستِ جنونِ نے من جبرئیل زبوں صیدے یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

انسان تنقید کے آئینہ میں

ایک دن اخبار دیکھتے ہوئے تنقید و تبصرے کے کالم پر نظر پڑی حیرت ہوئی ہمارے کالج کے پرنسپل جناب محمد اسحاق صاحب نے جناب اوج یعقوبی صاحب کے شعر پر تنقید کی تھی، تحریر تنقیدی شعور کی آئینہ دار تھی حیرت اس بات پر ہوئی کہ ہم جنہیں صرف کالج کے انتظامی (Administrative) اور تعلیمی (Academic) امور میں بیدار مغز اور پختہ کار سمجھتے، وہ دنیائے ادب میں مذاقِ تنقید کے حامل بھی ہیں، ہمارے کالج کے روز افزوں مسائل، تنوع اور شدت میں اپنی مثال آپ ہیں، عام خیال یہی ہے کہ پرنسپل صاحب، سنجیدگی، نکتہ رسی، زود فہمی، ثبات قدمی جیسی صفات کے ساتھ مسائل کے حل کرنے میں اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ کسی اور ذہنی مصروفیت کا تصور بھی مشکل ہے، لیکن ان کے تنقیدی مزاج کا ثبوت مل جانے کے بعد یہی کہنا پڑتا ہے کہ انسان کی فطرت نا قابل قیاس حد تک ہمہ گیر ہے

ہستی کے مت فریب میں آجائیو اسد
عالم تمام حلقہ دامِ خیال ہے

اسی حیرت کے سبب ان خیالات کو تحریک ہوئی جو بالآخر پھیل کر مضمون کی شکل اختیار کر گئے، اصل میں یہ موصوف کی خدمت میں گزارشات ہیں۔

چو غلام آفتابم ہمہ زآفتاب گویم

نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

جس طرح ایک ہی پودا پھول اور کانٹے پیدا کرتا ہے اسی طرح حیات انسانی سے خیر وشر کی نمود ہوتی ہے۔

موسیٰ وفرعون وشبیر ویزید

ایں دوقوت از حیات آید پدید

یعنی نہ صرف کائنات میں اسبابِ خیر وشر موجود ہیں بلکہ فطرت انسانی میں بھی اکتساب خیر و شر میں امتیاز ہی اصل اور حقیقی تنقید ہے اور اسی تنقید کو الٰہی ادب میں تزکیہ کہا گیا ہے قَدْ أَفْلَحَ مَن زَكَّاهَا ● جس نے شرِ نفس سے پاکی حاصل کی وہ کامیاب ہوا۔

فنونِ لطیفہ کی تخلیق کے محرکات کا جائزہ لیا جائے تو امتیاز خیر وشر یا اصطلاحِ ادب میں تنقید کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ وہی چہرہ حسین کہلاتا ہے جس میں اعضاء کا تناسب موجود ہو اعضا موجود ہوں لیکن تناسب نہ ہو تو انسانی آنکھ کے لیے ایسے چہرے میں کوئی حسن نہیں ہوتا پس معلوم ہوا کہ تناسب اعضاء کا دوسرا نام حسن ہے اور عدم تناسب ہی عیب ہے فن سنگ تراشی وفن مصوری میں بھی یہی تناسب تخلیقِ حسن کا نام پاتا ہے، انسانی کانوں کے لیے وہی آوازیں پرکشش ہوتی جن میں تناسب صوتی پایا جاتا ہے، فن موسیقی کی روح بھی یہی تناسب صوتی ہے، انسانی ضمیر کے لیے نظم ونثر کے وہی شاہ پارے پرکیف وحقائق انگیز ہوتے ہیں جو اس کی قابلیاتِ خیر وشر میں امتیاز عطا کرتے ہیں۔

وجود انسانی میں خارجاً کائنات میں خیر وشر کی نمود ایسے انداز سے ہوتی ہے کہ عقلِ انسانی

بآسانی امتیاز نہیں کرسکتی، کبھی شر کو خیر سمجھ کر اس کی جانب لپکتی ہے، اور کبھی خیر کو شر سمجھ کر دور بھاگتی ہے عَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ●

صبح ازل یہ مجھ سے کہا جبرئیل نے

جو عقل کا غلام ہو وہ دل نہ کر قبول

اگر عقل کی غلامی انسان کو اس کی حقیقی منزل تک پہنچا سکتی تو جبرائیل کے ذریعہ علم الٰہی کے نزول کی ضرورت نہ ہوتی۔

تنقید فطرت انسانی کا خاصہ ہے، انسان فطرتاً شر سے گریزاں اور خیر کا جویا رہا، اس میں شر سے نفرت اور خیر سے محبت ہی تنقید کا خمیر ہے، خوب سے خوب تر کی تلاش تنقیدی شعور کا نتیجہ ہے، انقلاب یورپ میں اس کو یورپ کی نشاۃ ثانیہ کہا جاتا ہے، مادیت میں عمل تنقید کی اچھی مثال ہے، انسانی دنیا کی مادی ترقی اسی شعور وعملِ تنقید کی بنیاد پر ہوتی رہی ہے، ماضی بعید کا ابتدائی انسان فطرت سادہ کی آغوش میں معصوم بچے کی طرح جیتا رہا، لیکن تدریجی ارتقا کے بعد آج کے انسان نے اسی جہانِ آب وگل پر پیہم محنت کی، اور حیرت انگیز ایجادات کے ذریعہ زندگی کے اسباب کو زیادہ سے زیادہ حسین اور مقید بنالیا، گویا انسان اشیائے کائنات کو تنقید کے آئینے میں دیکھ کر کائنات کو جنت ارضی بنانے کی کوشش کرتا رہا، لیکن خارج کی یہ جنّتِ انسان کو داخلی سکون عطا نہ کرسکی۔

میخواری وعریانی وبیکاری وافلاس

کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کی فتوحات

اقبال علم الٰہی اور اس علم پر انبیاء کے عمل کو فیضانِ سماوی سے تعبیر کرتے ہیں اور موجودہ مادی ارتقا کو اس

فیضانِ سماوی سے محرومی کا نتیجہ سمجھتے ہیں۔

وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے ہے محروم
حد اسکے کمالات کی ہے برق و بخارات

گھر میں کتنے ہی اسبابِ راحت موجود ہوں لیکن میاں بیوی کے دل ایک دوسرے سے صاف نہ ہوں تو کسی قسم کی راحت نصیب نہیں ہوسکتی۔

مکان سے پہلے مکین پر عملِ تنقید ضروری ہے جسم صحت مند ہو تو آدمی مٹی پر بھی آرام کی نیند سوتا ہے، لیکن بیمار جسم کو آرام دہ بستر پر بھی آرام نصیب نہیں ہوتا معلوم ہوا کہ صحتِ جسمانی آرام و نیند کی حقیقی شرط ہے، اور بستر کا اہتمام اضافی ہے۔

عقلی تنقید کے نتیجے میں کائنات کا مادی ارتقاء داخلی و خارجی سکون کا ضامن نہیں ہوسکتا، اپنی جہلِ ذاتی کی بنا پر انسان نے کائنات کی اشیاء کی افادیت دیکھی اور استفادہ کے لیے کائنات کو مقصود بنا لیا، حالانکہ یہ نسبت علم الٰہی کی روشنی میں غلط ہے، هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ● (اللہ وہی ہے جس نے کائنات کو تمہارے لیے بنایا)

نہ تو زمیں کے لئے نہ آسماں کے لئے
جہاں ہے تیرے لئے تو نہیں جہاں کے لئے

ارشاد ہوا سَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ● (جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہیں وہ تمہارے لیے مسخر کیا گیا ہے)

اس الٰہی تنقید کی روشنی میں اشیاء خادم اور انسان مخدوم ہے پھر وہ مخدوم ہی کیا جو اپنے خادم کے آگے جھک جائے اور اپنی حیثیت کو بھول کر خود ذلیل ہو جائے، انسان کو اسکے اسی بلند ترین مقام

کی اطلاع دینے والے انبیاء تھے، جن کے ذریعہ الٰہی تنقیدی شعور کو انسانوں تک پہنچایا گیا، اسی پیغام کو سنانے پر کسی کو دار پر چڑھایا گیا کسی کو قتل کر دیا گیا، اور کسی نے آگ میں پھینکا جانا گوارا کر لیا، لیکن اپنا فرضِ تنقید ادا کیے بغیر کوئی رخصت نہ ہوا۔

کھویا نہ جا صنمکدہ کائنات میں
محفل گداز گرمیٔ محفل نہ کر قبول

حیاتِ دنیا میں نفسِ انسانی کے لیے کشش و جاذبیت کے بے شمار اسباب رکھے گئے ہیں، لیکن ساتھ ہی خوب سے خوب تر کے متلاشی کو حیاتِ آخرت کا تصور عطا فرمایا گیا، حیات دنیا عارضی ہے اور حیات آخرت بہتر اور دائمی ہے، زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذَٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَاللَّهُ عِندَهُ حُسْنُ الْمَآبِ ●

گویا طالب علم سے کہا جارہا ہے یہ امتحاں گاہ ہے، امتحان کے نتیجے پر آئندہ زندگی کی کامیابی وناکامی کا انحصار ہے، دنیا کے ساتھ آخرت کا ربط بہت گہرا ہے، جس طرح طالب علم کی ہر حرکت اس کے نتیجہ یا آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے، اس طرح حیات دنیا کے حسنِ یقین اور حسنِ عمل کو شکل دے دی جائے گی، اور یقین و عمل کی عیب کو بھی مشکل کر دیا جائے گا، اور یہی تصورِ جنت و دوزخ ہے، جو حیات دنیا کے تنقیدی عمل کا فطری نتیجہ ہے، علم الٰہی اسی تنقیدی شعور کا ترجمان ہے، اور تمام انبیاء وصالحین کی زندگیاں اسی عملی تنقید کی آئینہ دار ہیں۔

الٰہی تنقید کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا نہ اس قابل ہے کہ انسان اس میں گم ہو جائے اور نہ مکروہ ہے کہ اس سے فرار حاصل کیا جائے، بلکہ یہ زادِ آخرت کی تیاری کا باورچی خانہ ہے، وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ● (اور توشہ حاصل کرو اور بہترین توشہ خدا کا لحاظ رکھنا ہے) ناشناسِ مقصود ہر نشانِ منزل کو مقصود سمجھتا ہے، اور ذریعہ کو مقصود جانتا ہے، اسی لیے محنت کرتا ہے، وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ● (اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے) مطلب یہی ہے کہ جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ نہیں جاننے کے برابر ہے اور جہل ہے اور علم صحیح اللہ کو ہے، وہی علم حیات انسانی کی حقیقی تنقید ہے، علم دیا گیا کہ انسان کی تخلیق صرف عبادت کے لیے کی گئی وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ● (اور نہیں پیدا کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے لیے) عبادت کی اِطلاقیت صاف بتا رہی ہے کہ کل زندگی میں صرف عبادت مطلوب ہے، اصطلاحاً جن اعمال کو ہم عبادت کہتے ہیں، وہ عبادات مخصوصہ ہیں جن سے عالم عبادات یعنی معاملات و اخلاق قوت حاصل ہوتی ہے۔

محو تسبیح تو سبھی ہیں مگر ادراک کہاں
زندگی خود ہی عبادت ہے مگر ہوش نہیں

عبادت کی حقیقت تعمیل حکم ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کو کائنات کے مقابلے میں استعمال کرے، یہی عبادت بہ صورتِ خلافت ہے، اور یہی آخرت میں صورتِ جنت ہے، اگر انسان اپنی ذات کو اللہ کی ذات کے لیے استعمال کرے تو یہی عبادت بصورتِ ولایت ہے اور یہی آخرت میں رضا و قرب ذات ہے، خلافت و ولایت کا کمال ہی عبدیت کی انتہا ہے، تنقید الٰہی کا مقصود یہی عبدیت ہے، اس مقصود میں شرک خلافِ شعور تنقید اور سبب ہلاکت و عذاب ہے، وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ● اور اللہ ہی کے عبد بن جاؤ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

والحمد للہ رب العالمین۔۔

فکر و نظر (کاروانِ فکر)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

وجود حق کا پتہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
خدا ہے خلق نما لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
حیات و علم و ارادہ یہ فعل کی قدرت
کمال ذات خدا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
ممات و جہل سہی، عجز و اضطرار سہی
ہے نقص ذات مرا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
کمال حق سے میں خالی ہوا تو کچھ بھی نہ تھا
یہی ہے میری فنا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
امیں بنا کے خدا نے کمال بخشا ہے
یہی ہے راز بقا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ
اسی سے شئے کی حقیقت کھلی ہے جاہل پر
یہی ہے علم خدا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

یہی شعور وجودی ہے روح فکر و عمل
کہ میں ہوں حق کی عطا لآ اِلٰہَ اِلّا اللہُ
اسی شعور سے اب دیکھتا ہوں ہر شئے کو
شہود نقد ہوا لآ اِلٰہَ اِلّا اللہُ
فقر گرچہ ہوں رہتا غنی کی گود میں ہوں
یہی ہے میرا انالآ اِلٰہَ اِلّا اللہُ
نفس نفس میں جو فیضان شیخ ہے جاری
نظر نظر میں بسالآ اِلٰہَ اِلّا اللہُ
خدا کے فضل سے وہ شیخ مل گئے جاؔوید
ہر ایک جن کی ادا لآ اِلٰہَ اِلّا اللہُ

توحیدوجودی

(کاروانِ فکر)

میں صورت ہی صورت، وہ ہستی ہی ہستی میں معدوم و فانی وہ موجود دو باقی
وہ ظاہر ہیں مجھ سے مرے ساتھ ہو کر یہ الفت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
وہ زندہ ہیں مردہ ،وہ فاعل میں کا سب ،کوئی فاصلہ بھی ہے دونوں میں حائل
انہیں سے انہیں کو میں اب جانتا ہوں، بصیرت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
میں ناقص وہ کامل، وہ عالم میں جاہل ،مرے نقص ہی سے کمال اُن کا ظاہر
انہی سے انہی کو میں پہچانتا ہوں، یہ قربت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
میں بہراوہ شنوا، میں اندھا وہ بینا،میں گونگا وہ گویا، میں سائل وہ داتا
انہی سے انہی کو میں اب پا رہا ہوں، یہ دولت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
مگر با وجود اس تعلق کے ہمدم، میں بندہ ہی بندہ وہ اللہ ہی اللہ
میں کیا ہوں انہی کو وہ خود پار ہے ہیں، یہ حیرت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے
کہاں کا شعور اور اشعار کس کے ؟ تری ذات جاؔوید معلوم حق ہے
تو ایک بانسری ہے بجا وہ رہے ہیں یہ نسبت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

محسوساتِ جاوید
محسوساتِ جاوید
محسوساتِ جاوید